بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

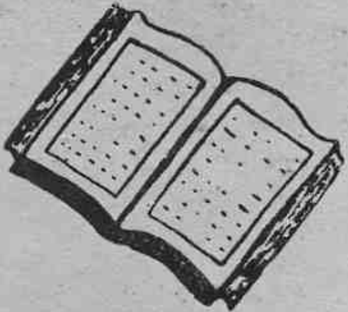

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

اپریل ۱۹۶۷ء

الفرقان

قرآنی حقائق بیان کرنے والا

تعلیمی، تربیتی اور تبلیغی مجلّہ

مدیرِ مسئول
ابو العطاء جالندھری

تردید عیسائیت

کے سلسلہ میں ان کتب کا مطالعہ آپ کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

● **مباحثۂ مصر** قیمت ۰.٦۲

(عیسائیت کے بنیادی عقائد پر جناب مولانا ابوالعطاء صاحب بشر اسلامی اور مشہور عیسائی پادری ڈاکٹر فلپس کے مابین فیصلہ کن مباحثہ)

● **تحریری مناظرہ** قیمت ۱.۵۰

(الوہیت مسیح کے بارہ میں جناب مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل اور مشہور عیسائی پادری عبدالحق صاحب کے درمیان تحریری مناظرہ۔ جس میں دو دو پرچے لکھے جانے کے بعد پادری صاحب نے مزید کچھ لکھنے سے انکار کر دیا)

● **الفرقان کا عیسائیت نمبر** قیمت ۱.۲۵

(عیسائیت کے مختلف عقائد پر اہم قلم حضرات کے تحقیقی مقالات کا نادر مجموعہ)

● **مباحثہ مصر کا انگریزی ترجمہ** قیمت ۱.۲۵

سلسلہ عالیہ احمدیہ کی جملہ کتب ہمارے مکتبہ سے مل سکتی ہیں۔

فہرست کتب مفت طلب فرمائیں

مکتبہ الفرقان۔ ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۷
شمارہ ۴

الفرقان

اپریل ۱۹۶۷ء

محرم الحرام ۱۳۸۷ ہجری قمری
شہادت ۱۳۴۶ ہجری شمسی

تبلیغی اور تعلیمی دینی مجلہ

قواعد وضوابط

۱۔ رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

۲۔ سالانہ چندہ پاکستان و بھارت کے لئے چھ روپے ہے جو ہر حال پیشگی وصول ہونا چاہیئے۔ دیگر ممالک کے لئے سالانہ چندہ تیرہ شلنگ ہے۔

۳۔ رسالہ کا چندہ مینیجر الفرقان ربوہ کے نام بھیجا جائے۔

۴۔ رسالہ پوری پڑتال کے بعد ڈاکخانہ کے سپرد کیا جاتا ہے اگر مقررہ تاریخ سے دس دن کے اندر اندر رسالہ نہ ملے تو آپ ڈاکخانہ سے دریافت کرکے ہمیں کارڈ لکھیں ہم پوسٹماسٹر صاحب جنرل لاہور کو لکھیں گے اور آپ کو رسالہ دوبارہ بھیجدینگے لیکن اگر کسی وجہ سے آپ بروقت مطالبہ نہ فرما سکیں تو آپ کو رسالہ قیمتاً حاصل کرنا چاہیئے۔

۵۔ چندہ ختم ہونے پر خریدار کو بذریعہ خط اطلاع دی جاتی ہے اگر بروقت چندہ وصول نہ ہو تو رسالہ وی پی کیا جاتا ہے۔

۶۔ جو دوست اطلاع کے باوجود نہ وی پی رکواتے ہیں اور نہ ہی اسے وصول کرتے ہیں وہ خواہ مخواہ رسالہ الفرقان کو نقصان پہنچاتے ہیں خدا کرے کہ آئندہ کوئی ایسی مثال نہ ہو۔

۷۔ خط و کتابت میں خریداری نمبر درج کیا جائے۔

۸۔ جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا لفافہ ضرور بھیجا جائے۔

مندرجات

- ابتدائیہ — ایڈیٹر — ص۲
- مسلمان ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ / اشاعت اسلام کیلئے متحدہ مرکز کی ضرورت — " — ص۳
- شذرات — " — ص۶
- جنوبی ہند میں بنی اسرائیل کی بستیاں — جناب مولانا حکیم اللہ صاحب فاضل۔ بمبئی — ص۹
- الہام اور ابہام (نظم) — جناب امین اللہ خان سالک — ص۲۲
- حاصل مطالعہ — جناب ملک محمود احمد صاحب / جناب الحاج مولوی عزیز الرحمٰن صاحب / جناب مولانا دوست محمد صاحب شاہد — ص۲۴
- رشحات (غیر مبایع بھائیوں کے لئے) — ایڈیٹر — ص۴۱
- حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ (نظم) — جناب مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری — ص۴۲
- "سبط نور" کو فیصلہ کی دعوت — جناب مولانا محمد یار صاحب عارف
- ایک شیعہ صاحب کے دو سوال اور ان کا جواب — ایڈیٹر — ص۴۴
- ● [illegible] (نظم) جناب [illegible] صاحب [illegible] — ص۵۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ماہنامہ الفرقان اپنے مقاصد کو بخوبی پورا کر رہا ہے اور اس کے قارئین اس کے متعلق اچھی رائے رکھتے ہیں۔ بہت سے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب بھی ماہنامہ الفرقان کا بصد شوق مطالعہ فرماتے ہیں تاہم ترقی اور بہتری کے لئے بہت گنجائش ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بعد یہ عمدہ رائے دراصل الفرقان کے محقق اور قابل اہلِ علم مضمون نگاروں کے تعاون کا نتیجہ ہے۔ تقریباً ہر نمبر میں ایک نہ ایک تحقیقی اور علمی مقالہ شاملِ اشاعت ہوتا ہے۔ میں اپنے فاضل نامہ نگاروں کا شکر گزار ہوں اور ان کے لئے دعا گو ہوں۔

اس نمبر میں محترم مولانا سمیع اللہ صاحب فاضل کا تحقیقی مقالہ **"جنوبی ہند میں بنی اسرائیل کی بستیاں"** ایک خاص اور اچھوتا مقالہ ہے امید ہے کہ قارئین اس سے بہت محظوظ ہوں گے۔

نیوز پرنٹ (اخباری کاغذ) کی نایابی اور گرانی نے بڑے بڑے سرمایہ دار اخبارات کو پریشان کر رکھا ہے۔ احباب خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس مشکل وقت میں انہیں اپنے ماہنامہ الفرقان سے کتنا **بھرپور تعاون** کرنا چاہیئے۔ خریدار بڑھانے چاہئیں۔ مستحقین میں اس کی اشاعت کے لئے **اشاعت فنڈ** میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے۔ جہاں تک میری طاقت ہے میں عزم رکھتا ہوں کہ بفضلہ تعالیٰ ہر قیمت پر زندگی بھر اسے جاری رکھوں گا۔ مجھے اپنے کریم خدا سے یہ بھی توقع ہے کہ وہ بعد میں بھی اس رسالہ کو جاری رکھے گا۔ وَعَلَى اللّٰهِ التُّكْلَانُ۔

آج ۱۴ اپریل ۱۹۶۷ء کو میں یہ ابتدائیہ سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ میری ولادت کی تاریخ ۱۴ اپریل ۱۹۰۴ء ہے گویا میری زندگی کے تریسٹھ (۶۳) **سال پورے** ہو چکے ہیں الحمد للہ۔ اور آج سے **چونسٹھویں سال کا آغاز** ہو رہا ہے۔ میری اپنے بھائیوں، احباب اور مخلص بزرگانِ سلسلہ سے درخواست ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے زندگی کے اس نئے سال اور آئندہ سالوں کو بھی خاص خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے مبارک اور کارآمد سال بنائے اور مجھے ایسے رنگ میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے کہ اس کی **ابدی خوشنودی** (رِضَاءٌ لَا سَخَطَ بَعْدَهٗ) حاصل ہو جائے۔ آمین

بہت سے احباب کا اصرار ہے کہ اپنے حالاتِ زندگی اور خدماتِ دینیہ کا تذکرہ بھی شائع کیا جائے۔ میرے نزدیک یہ ڈرنے کا مقام ہے تاہم اس خیال سے کہ شاید دوسرے بعض احباب کو فائدہ پہنچے اور بہت سی دینی معلومات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے آج ارادہ کرتا ہوں کہ آئندہ اشاعت سے انشاء اللہ چیدہ چیدہ حالات و واقعات کے لئے دو چار صفحے مخصوص کر دیئے جائیں گے وباللہ التوفیق۔

۱۴ اپریل ۱۹۶۷ء ابو العطاء جالندھری

اداریہ

مسلمان ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ

اشاعتِ اسلام کے لئے متحدہ مرکز کی ضرورت

عیسائی حکومتیں اور مسیحی پادری مسلمان ممالک کے خلاف ایک متحدہ محاذ رکھتے ہیں۔ دونوں کا نصب العین یہی ہے کہ مسلمانوں کے ملکوں میں ابتری پیدا ہو اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں عیسائیت کا حلقہ بگوش بنایا جائے۔ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے سرگرم ہیں اور قریباً ساری دنیا میں انہوں نے اپنا جال پھیلا رکھا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی پیش خبریوں کے ماتحت یاجوج و ماجوج کا ہر بلندی اور ہر مقام پر پہنچنا اور دجالی طاقتوں کا ہر ملک میں پھیل جانا مقدر تھا جس کو اب ہر آنکھ دیکھ رہی ہے۔

گزشتہ دنوں پاکستان کے مسلمان اخبارات میں **انڈونیشیا** اور **نائیجیریا** کے بارے میں خاص طور پر اعداد و شمار کی روشنی میں تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ تین اقتباس آپ کے ملاحظہ کے لئے درج ہیں:-

(۱) "انڈونیشیا میں کمیونسٹوں کے کے خلاف انقلاب کے بعد ان علاقوں میں عیسائیت اختیار کرنے والوں کی تعداد تشویشناک حد تک بڑھ گئی ہے جو علاقے آج سے دو سال قبل کمیونزم کا گڑھ سمجھے جاتے تھے۔ خبر میں بتایا گیا ہے کہ ان علاقوں کی مسلمان آبادی بڑی تیزی کے ساتھ مسیحیت قبول کر رہی ہے۔"

(ہفت روزہ شہاب لاہور ۱۲ مارچ ۱۹۶۷ء)

(۲) "انڈونیشیا کی بائیبل سوسائٹی نے اپنے انجیلی مطبع کو نئے اور عظیم منصوبے کے ماتحت وسیع کرنے کا کام پوری تیزی سے شروع کر دیا ہے تاکہ وقت کی عظیم ضروریات کو پورا کر سکے۔ ان کا اندازہ ہے کہ ۱۹۷۰ء تک یہ طباعتی کارخانہ ہر سال ایک لاکھ انجیل مہیا کر سکے گا۔"

(نوائے وقت ۲۸ مارچ ۱۹۶۷ء)

(۳) **نائیجیریا** میں عیسائیوں کے نفوذ کے بارہ میں شہاب رقمطراز ہے:-

"—— ۲۶۰۰ کے قریب مشنری

سکول وہاں کھل گئے جبکہ وہاں پر
صرف ۱۲ اسکول مسلمانوں کے ہیں۔
انہوں نے نظامِ تعلیم میں اس قدر
تبدیلیاں کردیں کہ مسلمانوں کے لئے
لمحۂ فکریہ ثابت ہوئیں۔ انہوں نے
انجیل کی تعلیم لازمی کردی۔ اور
اسلامیات کو بالکل ختم کردیا۔ پھر
یہیں پر بس نہیں انہوں نے اسلام
کی تاریخ کو بھی نصاب سے خارج
کردیا۔ اس پر مسلمان کچھ ہوش میں
آئے لیکن کرنے والے سب کچھ
کرچکے تھے۔ ان سکولوں میں اسّی
فیصد اساتذہ عیسائی ہیں۔ وہ
عیسائیت کی تبلیغ کو اپنا فرض منصبی
سمجھتے ہیں اور ہر وقت اپنے مذہب
کی اشاعت کے لئے کوشاں رہتے
ہیں لیکن دوسری طرف ۲۰ فیصد مسلمان
اساتذہ اسلام سے بالکل ناآشنا
ہیں۔ وہ نہ تو کسی کے ساتھ بحث کرتے
ہیں نہ ہی کسی کو اپنی دلیلوں سے منوا
سکتے ہیں" (ہفت روزہ شہاب
لاہور ۱۲ مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۶)

جناب مولوی محمد الدین احمد قصوری اپنے مضمون "انڈونیشیا میں عیسائیت کا فروغ" میں تفصیلی حالات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"یہی خطرہ اب پاکستان کو بھی درپیش
ہے اور اگر حکومت اور عوام کی غفلت
کا یہی حال رہا تو آئندہ نصف صدی
میں پاکستان کی حالت بالکل منقلب
ہو جائیگی۔ مشنری سکولوں، ہسپتالوں
اور ہوسٹلز کا بڑھتا ہوا نظام ایک عظیم
خطرے کی علامت ہے۔"
(نوائے وقت ۲۸ مارچ ۱۹۶۷ء)

اس خطرہ کے ذکر کے بعد مولوی صاحب موصوف نے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو دفاعی طریق اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور کہا ہے کہ تمام فرقوں کا فرض ہے کہ عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لئے سب متفق اور متحد ہو جائیں اور اسلام کی اشاعت کے لئے ایک متحدہ محاذ قائم کیا جائے۔ اسلامی حکومتیں اگر اس طرف توجہ نہیں کرتیں تو وہ بھی قصوروار ہیں تاہم مسلمان علماء اور عوام کو اشاعتِ اسلام کا متحدہ محاذ قائم کرنا چاہیئے۔ آپ لکھتے ہیں:-

"ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام
فرقہ بندیوں سے الگ ہو کر ہم ایک
متحدہ مرکز اسلام کی اشاعت کیلئے
بنائیں اور پوری قوت اور تندہی
کے ساتھ پاکستان میں اشاعتِ
اسلام کا کام شروع کریں جب یہ
مرکز مضبوط ہو جائے تو پھر ہمارے
داعی اور مبلغ یورپ اور افریقہ کا

بھی رُخ کریں۔"

(نوائے وقت ۱۸؍مارچ ۱۹۶۷ء)

بات یہ ہے کہ عیسائیت دلائل کے میدان میں اسلام کا قطعاً مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید کی روشنی میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے جو روحانی اور عقلی ہتھیار جماعت احمدیہ کو دیئے ہیں ہر ملک اور ہر قوم میں تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ پادری صاحبان ان کے مقابلہ سے بالکل عاجز ہیں۔ البتہ پادریوں کو جو مادی سامان حاصل ہیں ان کے ذریعہ سے وہ عوام مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں کہیں مسلمانوں کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کہیں ان کی جہالت اور غلط عقائد کے باعث انہیں اپنا شکار بنا رہے ہیں۔

ہم مولوی قصوری صاحب کی اس تجویز سے متفق ہیں کہ عیسائیت کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کا متحدہ محاذ قائم ہونا چاہیئے جو پاکستان اور بیرون پاکستان یہ کام کرے اور اشاعتِ اسلام کے لئے جدّوجہد کرے۔ ہمارے نزدیک اس کے لئے ضرورت ہے کہ

اوّل۔ ہر فرقے کے علماء رواداری اور عقلمندی سے کام لیں اور انانیت کو چھوڑ کر محض اسلام کی خاطر کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔

دوم۔ عوام مسلمانوں کو حالات کی نزاکت کا پورا پورا احساس ہو اور وہ مالی طور پر اشاعتِ اسلام کے لئے قربانیاں کریں۔

سوم۔ ایک ایسا **مرکزی ادارہ** ہو جس کی **نگرانی** ان دردمند لوگوں کے سپرد ہو جنہیں عملی میدان میں اشاعت اسلام کا تجربہ ہے۔

اگر یہ تینوں باتیں اختیار کر لی جائیں تو عام مسلمان فرقوں کا متحدہ محاذ بن سکتا ہے اور اس کی فی الواقع ضرورت ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے لئے درد اور سوز و گداز کے بغیر یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کی بھی ضرورت ہے۔ اور عملی تنظیم کی بھی ضرورت ہے۔ اے کاش مسلمان اس کا احساس کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے اور کام کی توفیق عطا فرمائے اور جذبۂ خدمتِ دین سے سرشار کرے۔ آمین ؕ

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

خدا وفادار دوست ہے

"دیکھو انسان باوجود ہزاروں کمزوریوں کے اپنے سچے دوست کے ساتھ وفاداری کرتا ہے تو کیا خدا جو رحمٰن اور رحیم ہے وہ تمہارے ساتھ وفاداری نہ کرے گا؟"

(ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۴۶)

شذرات

فسادات ۵۳ء کے بارے میں احراری بیان

احراری ماہنامہ تبصرہ لاہور اپنے ڈھنڈورہ سیاست دانوں کے سلسلہ میں لکھتا ہے :-

"۱۹۵۳ء کا مرزائی اور مسلمان ہنگامہ بھی دراصل انہی سیاست دانوں کی پیداوار تھا ورنہ جہاں تک مجلس عمل کے رہنماؤں کا تعلق تھا وہ اپنی اس تحریک کو اس نہج پر چلانے کے آرزو مند نہیں تھے مگر راج نگار قسم کے لوگوں نے اس آگ کو ایسی ہوا دی کہ گھر کا گھر جل اٹھا۔" (فروری ۶۷ء صہ)

الفرقان ۔ مدیر تبصرہ نے یہ نہیں بتایا کہ "مجلس عمل کے رہنما" اپنی ہنگامہ آرائی کو کس نہج پر چلانا چاہتے تھے۔ اگر وہ لوگ اس وقت سیاست دانوں کے ہاتھ میں آلۂ کار بن گئے تھے تو اب پچھتانے کا کیا فائدہ؟ ہم تو یہی کہیں گے ع

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

سوال یہ ہے کہ جب یہ علماء اور ان کی نام نہاد مجلس عمل ۵۳ء میں "سیاست دانوں" کا آلۂ کار بن کر صحیح طریق سے برگشتہ ہو گئے تھے تو آئندہ کیلئے ان کا کیا اعتبار ہے؟

پاکستان کے مقاصد کی تکمیل اور خلافت کا قیام

جناب م۔ش لکھتے ہیں :-

"پارلیمنٹری ڈیموکریسی ہماری متعینہ منزل سے اسی قدر دور تھی جتنا کہ موجودہ صدارتی نظام حکومت اس مقدس مشن سے دور ہے پاکستان کے مقاصد کی تکمیل پارلیمانی یا صدارتی نظام ہائے حکومت رائج کرنے سے نہیں بلکہ خلافت کے قیام سے ہی کی جا سکتی ہے۔"

(نوائے وقت لاہور ۲۱ مارچ ۶۷ء)

الفرقان ۔ ہمیں سیاسی بحثوں سے کوئی سروکار نہیں مگر ہم پاکستان کے مقاصد کی تکمیل کو اپنا مقدس مشن یقین کرتے ہیں۔ اس بیان کا یہ حصہ بالکل حق اور درست ہے کہ مقاصد پاکستان کی تکمیل خلافت کے قیام سے ہی ہو سکتی ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا خلافت سے مراد وہی خلافت ہے جس کا ذکر آیت قرآنی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں آیا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ یہ خلافت تو اللہ تعالیٰ قائم کرتا ہے اور اس کا وعدہ صالح اعمال بجا لانے والے اہل ایمان سے

ہے گویا یہ خلافت ایک خاص ربانی انعام ہے۔ اگر م ۔ش صاحب کی مراد انسانی دماغوں کی ایجاد کردہ خلافت ہے تو اس سے مقاصدِ پاکستان کی تکمیل کا خواب کیونکر شرمندۂ تعبیر ہوگا؟

اہلحدیثوں کی افتراپردازی کی تازہ مثال

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے تجربہ کے بعد لکھا تھا کہ:-

"قرآن مجید میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کا مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے۔ افسوس ہے کہ آج ہم اہلحدیثوں میں بالخصوص یہ عیب پایا جاتا ہے۔" (اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۹ر اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

یہ ۱۹۰۷ء کی بات ہے مگر آج "اہلحدیثوں" نے اس مشابہت میں اور بھی ترقی کرلی ہے۔ اب تو وہ سراسر جھوٹ اور بے بنیاد باتیں دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عبارتوں کی عبارتیں خود گھڑ کر دوسروں کے نام لگا دیتے ہیں۔ بطور مثال پڑھئے اہلحدیثوں کے اخبار الاعتصام میں لکھا ہے:-

"مگر میں یہ کہتا ہوں کہ مکہ معظمہ کا حج موقوف ہو گیا اور اس کے بجائے قادیان آنا حج کا درجہ رکھتا ہے۔"
(مرزا محمود خطبہ جمعہ میں)"
(الاعتصام لاہور ۱۰ر فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۶)

یہ افتراء الاعتصام والوں نے اس شخص پر کیا ہے جو خود حج بیت اللہ الحرام سے مشرف ہو چکا ہے۔ ہم مدیر الاعتصام کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی میرزا محمود احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے کسی "خطبہ جمعہ" سے یہ الفاظ نکال کر دکھائے مگر وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔ یہ اس نے محض جھوٹ اور افتراء کیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے ورنہ مخالفین کا عمومی وطیرہ ہی اشتعال انگیزی اور افتراء پردازی ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب زندہ ہوتے تو وہ ان اہلحدیثوں کو کس نام سے یاد کرتے۔

مذہب میں جبر کا نتیجہ

شیعہ رسالہ "پیام عمل" لاہور لکھتا ہے:-

"حضور رسالت مآب کے طریقۂ تبلیغ میں جبر نہیں تھا کیونکہ کسی انسان کو جبر واکراہ سے دین کی طرف دعوت نہیں دی جاسکتی اسلئے کہ تلوار کے ذریعہ سے منافقین کی تعداد میں اضافہ تو ممکن ہے لیکن مومنین پیدا نہیں کئے جاسکتے۔ خدا و رسول کی اطاعت کی طرف عقل و بصیرت کے ذریعے سے بلایا جاسکتا ہے۔" (پیام عمل مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۲)

الفرقان۔ یہ تو بالکل صحیح اصول ہے کہ اسلام میں جبر جائز نہیں کیونکہ جبر سے منافق ہی پیدا ہوسکتے ہیں نہ کہ مومن۔ مگر شیعہ صاحبان کو خود بھی سوچنا چاہیئے کہ وہ آپ کیا ستم کرتے ہیں کہ ملکی زندگی میں جبکہ جبر

کے لئے بظاہر بھی کوئی صورت نہ تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے کبار صحابہ مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مومن نہیں مانتے بلکہ (معاذ اللہ) انہیں منافق ٹھہراتے ہیں؟ کیا ان بزرگوں کو منافق قرار دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کے مترادف نہیں؟

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی کتاب "نور الدین" کا ذکر

المنبر لائلپور غازی محمود دھرمپال کے حالات میں لکھتا ہے:-

"ان کے ترکِ اسلام کے خلاف متعدد کتابیں شائع ہوئیں جن میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کتاب ترکِ اسلام اور دوسری مولوی نور الدین بھیروی کی نور الدین زیادہ مشہور ہوئیں۔ ان میں انہوں نے اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے اسلام کی صحیح تصویر پیش کرکے دھرمپال کے سامنے صراطِ مستقیم پیش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن دھرمپال پر ان دنوں انکا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ بدستور آریہ سماج کی حمایت کرتے رہے۔" (المنبر ۲۴ فروری ۶۷ء)

الفرقان۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی کتاب نور الدین آریوں کے اعتراضات کا ایک ٹھوس جواب ہے۔ دھرمپال پر اثر کا تو یہ عالم ہے کہ وہ جلد ہی اسلام میں واپس آگیا لیکن کچھ عرصہ آریوں کے ساتھ رہنا دیگر اغراض کے ماتحت تھا۔

ضرورت شرعی کے ماتحت نمازوں کا جمع کرنا

جماعت احمدیہ کے نزدیک سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ شرعی ضرورت کے ماتحت دو نمازیں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء جمع کرکے پڑھی جاسکتی ہیں۔ ناواقف عوام کو بعض دفعہ اس پر تعجب ہوتا ہے ہم ذیل میں الاعتصام لاہور سے دو اقتباس درج کرتے ہیں:-

(الف) "بلا عذر دو نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں ہاں سفر، خوف، بارش اور مرض جیسے عذروں میں فقہائے محدثین کے نزدیک جمع کرنا جائز ہے۔"

(ب) "جامع ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سفر یا بارش اور خوف جیسے شرعی عذروں کے بغیر ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کو جمع کرکے پڑھا۔ جب ان (حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی حدیث) سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب دیا کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی امت حرج اور تنگی میں مبتلا نہ ہو۔" (الاعتصام ۳ مارچ ۶۷ء صفحہ ۴)

الفرقان۔ اِن اقتباسات سے عیاں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو "حرج اور تنگی میں مبتلا" ہونے سے بچانے کے لئے سفر اور بارش وغیرہ کی معروف صورتوں کے بغیر بھی مدینہ منورہ میں نمازیں جمع فرمائی ہیں۔ گویا حضورؐ چاہتے تھے کہ جب بھی امت کو کوئی ایسی جماعتی ضرورت، مثلاً عظیم جلسے اور اجتماعات، پیش آئے جس میں نمازوں کا جمع کرنا ضروری ہو تو امت کے لئے کوئی حرج اور تنگی نہ ہو گویا الدّین یُسر کی عملی تفسیر کر دی۔ اللہ! اللہ! اکس قدر رؤف و رحیم نبی ہیں۔ اللّٰھم صلّ علیہ وآلہ وسلم۔

ایک تحقیقی مقالہ

جنوبی ہند میں "بنی اسرائیل" کی بستیاں

(محترم مولانا سمیع اللہ صاحب بمبئی (بھارت))

مورخوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "برصغیر ہندو پاک" ایک ایسا برصغیر ہے جہاں مختلف زمانوں میں مختلف رنگ و نسل کے لوگ باہر سے آکر آباد ہوتے رہے۔ اس برصغیر میں جتنی قومیں پائی جاتی ہیں آیا ان میں کوئی ایسی بھی ہے جس کی اصل یہیں کی مٹی سے ہو۔ ابھی تک مورخوں نے کسی ایسی قوم کا پتہ نہیں بتایا۔ یہاں جتنی قومیں آباد ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ دراوڑی
۲۔ آریہ
۳۔ کشان
۴۔ ہُن
۵۔ مسلمان، عرب، افغان اور مغل وغیرہ
۶۔ پارسی
۷۔ گوجر

ان کے علاوہ "آدی باسی قبائل" ہیں جو بھارت کے پہاڑی علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان اقوام میں سے کسی کے متعلق مورخ یہ نہیں کہتے کہ یہ اصل کے اعتبار سے ہندوستانی یا پاکستانی ہیں۔ اصلیت اور حسب و نسب کے اعتبار سے ہر قوم کو غیر ملکی قرار دیا گیا ہے۔ ان کا اصل وطن مشرق وسطی ہے یا ایشیائے کوچک، ایران، یورپ یا آسٹریلیا و افریقہ وغیرہ۔

مذہبی روایات

یہ بات صرف مورخوں نے نہیں کہی بلکہ بعض مذہبی روایات بھی اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تفسیروں میں کہا گیا ہے کہ وہ مغربی ایشیا سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے۔ یہ بات اتنے مفسروں نے کہی ہے کہ اس خیال پر ان سب کا اتفاق نظر آتا ہے البتہ پیرایۂ بیان میں ذرا اختلاف ہے۔ کسی نے اس کو ہجرت کہا ہے تو کسی نے ہبوط۔

حقیقۃ الوحی کا حوالہ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی حقیقۃ الوحی کے تتمہ استفتاء میں ہندوستان کو ہبط آدم فرمایا ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں :۔

وانہ نظر الی البلاد الھندیۃ
فوجدھا مستحقۃ لمقرّ
ھذہ الخلافۃ لانھا کانت

مھبط الادم الاول فی بدء الخلیقۃ۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کو دیکھا تو اس ملک کو اس خلافت کا مستحق پایا۔ اس لئے کہ یہی آدم اول کی جائے نزول تھا ابتدائے تخلیق میں۔

اسی طرح آپ نے "آریہ دھرم" میں فرمایا کہ حضرت آدمؑ اپنے لڑکوں سمیت ہندوستان آئے۔ (ص۲۴)

ہجرت کے محرکات

عمرانیات کا عام قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک میں جگہ یا خوراک کی تنگی ہوتی ہے تو وہاں کی قومیں ان چیزوں کی تلاش میں دوسرے ملک کی طرف رُخ کرتی ہیں۔ اسی قاعدے کی بنا پر "عہدِ قدیم" و "عہدِ وسطیٰ" میں ہر چند صدیوں کے بعد بیرونی ممالک کی روز افزوں آبادی برصغیر ہند و پاک کا رُخ کرتی اور یہاں کبھی معمولی تصادم اور کبھی خون ریز جنگ کے بعد اپنے لئے جگہ پیدا کر لیتی۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان میں کئی ایسی اقوام ہوں گی جو پُرامن طور پر اس ملک میں داخل ہوئی ہوں گی۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ ہر آنے والا حملہ آور ہی ہو۔ لوگ تجارت، ملازمت اور خوراک کی تلاش میں بھی نقل مکانی کرتے رہتے ہیں۔ اور جس طرح حملہ آور قبائل دوسرے ملک کو اپنی نو آبادی بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح تجارت پیشہ لوگ بھی دوسرے ممالک میں اپنی نو آبادی قائم کر لیتے ہیں۔ بحر روم کے جزیرہ سقوطرہ میں یونانیوں نے بھی ہندوؤں کی ایک نو آبادی کا ذکر کیا ہے۔ یہ سندھ اور گجرات کے تجار تھے۔ اسی طرح انگریزوں کے عہد میں ہزاروں ہندوستانی و پاکستانی جزیرہ مارشیس، فجی، ویسٹ انڈیز اور افریقہ کی طرف ملازمت اور ذریعۂ معاش تلاش کرتے ہوئے گئے اور وہیں کے ہو گئے۔ ان میں بحرِ ہند کا جزیرہ مارشیس خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جہاں آج بھی ہندوؤں کی اکثریت ہے۔

برادرانِ یوسفؑ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی خوراک ہی کی تلاش میں کنعان سے مصر گئے تھے۔ اور جب حضرت یوسفؑ نے ان سبھوں کو دعوت دی تو یہ اپنے والدین سمیت وہاں جا کر آباد ہو گئے۔

باغیوں کا فرار

اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ملک کے سرکش لوگ بھاگ کر دوسرے ملک میں پناہ لے لیتے ہیں۔ حجاج بن یوسف کے زمانے میں بھی بہت سے باغی اور سرکش فوجیوں نے سندھ کے اس راجے کے ہاں پناہ لے لی تھی جو جنگ قادسیہ میں ایران کا حلیف تھا اور جس کا سفید ہاتھی مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پیش پیش تھا۔ وہ لوگ یہاں بیٹھ کر اسلامی سلطنت کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے تھے محمد بن قاسم نے سندھ پر جو حملہ کیا اس کی اصل وجہ یہی تھی۔ (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

پارسی

پھر کبھی ایسا ہوا کہ جب ملک پر کوئی دوسری قوم حملہ آور ہوئی تو وہاں کے کچھ لوگ پناہ لینے کیلئے دوسرے ملک کی طرف چلے گئے۔ جیسے پارسی۔ عہد فاروقی میں جب سرفروش مسلمانوں نے ایران پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا تو بہت سے ایرانی پناہ گزین کے طور پر ہندوستان آ گئے۔ یہ لوگ آج بھی بمبئی اور آس پاس کے شہروں میں موجود ہیں۔ اور ہم مسلمانوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ دار بھی ہیں جن کے پاس حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطیہ جات کی سند تھی۔ اس خاندان کے سربراہ "سر جمشید جیتجی بھائی" سے ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی نے یہ سند لیکر ۱۹۵۱ء میں شائع کی۔ اور جب پی۔ ایچ ڈی کے لئے انہوں نے "الوثائق السیاسیۃ" کی تھیسس لکھی تو اس میں بھی اس فرمان کو درج کیا۔ (الوثائق السیاسیۃ)

بنی اسرائیل کے دس قبائل

مورخوں سے جہاں تک ممکن ہوا ہے ان باتوں کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بے انتہا کدوکاوش کے باوجود وہ بعض باتوں کا پتہ نہیں لگا سکے جیسے بنی اسرائیل کے دس قبائل جو شمالی فلسطین پر حکمران تھے جب آشوری بادشاہ سرگون نے انہیں اپنے ملک سے جلاوطن کیا تو آخر وہ کدھر کو گئے؟ یہودی، عیسائی، اور دوسرے مورخوں نے ان قبائل کا پتہ لگانے کی بہت کوشش کی مگر وہ کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکے۔ اسی لئے آج بھی وہ قبائل مورخوں کی اصطلاح میں گم شدہ قبائل ہی کہلاتے ہیں۔

گورسے ہمن

یہی حال ہمن قوم کا ہے۔ اس قوم نے کشان اور وردھن خاندان کے درمیانی عہد میں اس برصغیر کے شمال مغربی علاقوں پر حکومت قائم کی اور پچاس سال تک حکومت کرتی رہی۔ مگر مورخ ابھی تک اس قوم کی اصل اور حسب نسب سے واقف نہیں۔ کسی نے گوجروں کو اسی قوم سے قرار دیا ہے اور کسی نے برہمنوں کو۔ مگر پھر بھی وہ کوئی یقینی بات کہنے سے معذرت کا اظہار کرتے ہیں۔

ان شواہد کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا کہ مورخوں کی تحقیقات ابھی نامکمل ہیں۔ ابھی کئی ایسی باتیں ہیں جو تشنۂ تحقیق ہیں۔

وادی سندھ کی تہذیب

کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ دریائے سندھ کے کنارے تہذیب و تمدن کا ایک قیمتی خزانہ پانچ ہزار سال سے موجود تھا مگر مورخ اس سے ناواقف تھے۔ جب ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۲ء کے

درمیان یہ خزانہ موہنجوڈارو اور ہڑپا کی صورت میں دریافت ہؤا تو تاریخ ہند میں ایک حیرت انگیز باب کا اضافہ ہوگیا تو سچ یہ ہے کہ اس کارگاہِ قدرت میں ابھی ہزاروں باتیں ایسی ہیں جو ہماری نظروں سے مخفی ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنے علم پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے اور ایک جویائے حقیقت کی طرح تلاش وجستجو کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے۔

یہود اور بنی اسرائیل

چنانچہ اس وقت میرے سامنے فلسطین کی وہ قوم ہے جو کم سے کم چار سو سال قبل مسیح سے لیکر ساٹھ سال بعد مسیح تک بار بار ترکِ وطن پر مجبور ہوئی۔ اس کا نام ہے بنی اسرائیل اور یہود۔ اصل کے اعتبار سے یہ دونوں قومیں ایک ہی ہیں یعنی سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن ان میں سے جو لوگ اپنا شجرہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین اور حضرت یعقوبؑ کے بڑے لڑکے یہودا سے ملاتے ہیں وہ "یہود" کہلاتے ہیں۔ باقی اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام "بنی اسرائیل" ہی کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب سلطنت کے بٹوارے میں اختلاف ہؤا تو بنیامین اور یہودا کی اولاد کو جنوبی فلسطین کی حکومت ملی جس میں یروشلم یعنی بیت المقدس بھی تھا۔ یہ دونوں قبائل دوسرے قبیلوں کی نسبت مذہبی امور میں زیادہ راسخ الاعتقاد اور جذباتی تھے اور یروشلم کی حکومت میں مذہبی رسوم رواج، قربانی اور دیگر عبادات کا زیادہ اہتمام ہوتا تھا۔

باقی دوسرے قبائل جنہوں نے مل جُل کر شمالی فلسطین میں حکومت قائم کی تھی اور جس کا دارالسلطنت سومرون یا سماریہ تھا سیاسی مصالح اور دنیوی فوائد کی انہیں زیادہ فکر رہتی تھی۔ یہ قبائل بُت پرستوں کی تہذیب و تمدن سے بھی متاثر ہوئے۔ اب ذرا میں تقدیر کے ان نوشتوں پر روشنی ڈالوں جن کی بدولت اولادِ اسرائیل کو وطن سے بے وطن ہو کر دربدر کی خاک چھاننی پڑی۔

بنی اسرائیل اور فراعنۂ مصر

حضرت یعقوبؑ کا اصل وطن کنعان تھا حضرت یوسف علیہ السلام کی وزارتِ عظمیٰ کے عہد میں آپ اہل وعیال کے ساتھ اس وطن کو چھوڑ کر مصر چلے گئے۔ وہاں کچھ دنوں تک تو یہ لوگ عزت، آبرو اور آزادی کے ساتھ رہے لیکن پھر "فراعنۂ مصر" سے مذہبی عقائد میں اختلاف ہؤا۔ مصر کے فرمانروا مشرک اور بُت پرست تھے اور اولادِ یعقوب علیہ السلام موحد تھی۔ یہ لوگ فرعونِ مصر کے آگے سجدہ نہیں کرتے تھے اسلئے مصری بادشاہوں نے ان کی تحقیر و تذلیل شروع کی۔ اور جب ان کی نسل کی بڑھوتری دیکھی تو اور بھی فکرمند ہوئے۔ دھیرے دھیرے یہ لوگ حقوقِ شہریت سے محروم کئے جانے لگے حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آیا کہ یہ قانونی طور پر قبطیوں کے غلام ہوگئے اور ان سے چوپایوں کی طرح

محنت و مزدوری کا کام لیا جانے لگا۔

حضرت موسیٰؑ کی پیدائش

شاہانِ مصر کا ظلم و ستم جب حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر ایک بار اس قوم کے سر پر رحمت کا ہاتھ رکھا اور بنی اسرائیل کے لاوی خاندان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان دنوں فرعونِ مصر نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کی کوئی نومولود نرینہ اولاد زندہ نہ چھوڑی جائے لیکن تصرفِ الٰہی دیکھئے کہ اس حکم کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی بیٹی کی گود میں پلے۔ اور اسی شاہی محل میں پل کر جوان ہوئے۔

اگرچہ فرعون آپ کو اپنا نواسہ سمجھتا تھا مگر آپ کو معلوم تھا کہ میں اسرائیلی خاندان کا ایک فرد ہوں۔ آپ بنی اسرائیل کے ساتھ لطف و مدارات کا سلوک کرنے لگے۔ فرعون کو ان کی غلامی و بدحالی کی طرف توجہ دلائی۔ فرعون نے جب بنی اسرائیل کے ساتھ آپ کی یہ خیر خواہی دیکھی تو آپ کو اپنے حدودِ سلطنت سے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپ مدین پہنچے۔ وہاں بارہ سال رہے پھر مصر لوٹ آئے اور فرعون کے سامنے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ اور جب اپنی معجزانہ قوتوں سے بنی اسرائیل میں بیداری کی ایک لہر پیدا کر دی تو فرعون بالکل مجبور ہو گیا اور اس نے آپ کو اجازت دی کہ بنی اسرائیل کو لیکر مصر کی حدود سے نکل جائیں۔ چنانچہ آپ ان کو لیکر ارضِ موعود کنعان کی طرف چلے۔ ان دنوں کنعان پر بُت پرستوں کا قبضہ تھا اور وہ ایسی جابر قوم تھی کہ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں بنی اسرائیل ان سے مقابلے کی جرأت نہیں کر سکے۔ حضرت موسیٰؑ کا تو اسی غربت میں انتقال ہو گیا۔ آپ کے بعد جناب یوشع کے سر پر مقتدائی کا تاج رکھا گیا۔ آپ نے دن رات بنی اسرائیل کو فوجی تربیت دیکر اس قابل بنا دیا کہ اس جابر قوم سے مقابلہ کر سکے۔ قصہ کوتاہ ایک طویل اور سرفروشانہ جدوجہد کے بعد بنی اسرائیل ارضِ کنعان پر قابض ہو گئے اور پھر کئی خونریز جنگوں کے بعد فلسطین اور شام کے دوسرے علاقوں پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت داؤدؑ

حضرت طالوتؑ کے بعد جب داؤد علیہ السلام فلسطین کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے دراصل اسی وقت سے بنی اسرائیل کی اقبال مندی کا زمانہ شروع ہوا۔ آپ نے فوجی مہمات اور سپاہیانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مناجات اور دعاؤں کے ترکش سے بھی ایسے ایسے تیر چلائے کہ آس پاس کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکی اور اسرائیلی سلطنت کی حدود شام کے شمال و جنوب کی طرف دُور دُور تک پھیل گئیں۔

حضرت سلیمانؑ

حضرت داؤدؑ کے بعد ان کے نامور فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام اس تخت پر بٹھائے گئے۔ آپ کا دورِ سلطنت بنی اسرائیل کی تاریخ کا سب سے

زرّین و درخشندہ دَور کہلاتا ہے۔ آپ کے دَورِ حکومت میں بنی اسرائیل کی اقتصادی حالت اتنی اچھی ہوگئی کہ آس پاس کی حکومتیں اس پر رشک کرنے لگیں۔ آپ نے تجارت کو بہت فروغ دیا۔ تجارتی بیڑے بنائے اور بحرِ احمر کے راستے دُور دراز کے ملکوں سے تجارتی روابط قائم کئے۔ مصر، افریقہ، عرب، ہندوستان اور پاکستان کے سواحل پر آپ کے تجارتی بیڑے لنگر انداز ہوتے۔ بائیبل کی کتاب سلاطین ا کے دسویں باب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بندرگاہوں میں "اوفیر" نام کی جو بندرگاہ تھی حضرت سلیمانؑ کو سب سے زیادہ منافع اسی بندرگاہ کی تجارت سے ہوتا تھا۔ بھارت کے ایک اسرائیلی مورخ کی تحقیق کے مطابق "اوفیر" کوکن (مہاراشٹر) کی ایک بندرگاہ کا نام تھا جو بمبئی سے تیس میل جانب جنوب "ویسٹرن ریلوے" کے سوپارہ نامی اسٹیشن کے قریب واقع تھی۔ کوکن کی دوسری بندرگاہ جو عہدِ سلیمانی میں بڑے عروج پر تھی اس کا نام CHEUL تھا۔ یہ ضلع رتنا گیری کی ایک مشہور بندرگاہ تھی۔ یہ دونوں مقامات اب بھی موجود ہیں مگر ان کی تجارتی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ اسی طرح "کیرالا" کی کئی بندرگاہیں تھیں جہاں بڑے بڑے تجارتی جہاز آتے۔ ان جہازوں میں مصری، یونانی اور چینی جہازوں کے علاوہ حضرت سلیمانؑ کے تجارتی بیڑے بھی ہوتے۔

بیت المقدس کی تعمیر

حضرت سلیمانؑ کا دوسرا عظیم کارنامہ جس نے شہر یروشلم کو ارضِ مقدس بنا دیا، ایک معبد کی تعمیر تھا۔ اسی معبد کو آج بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ اس خانۂ خدا کا جو نقشہ مورخوں نے کھینچا ہے اس کو دیکھ کر اگر ہم اس کو "سونے کا محل" کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ خیر یہ تو اس کی ظاہری آرائش تھی۔ دراصل اس عبادت گاہ کو تقدس کا درجہ اس "تابوت" سے ملا جس میں انبیاء کے تبرکات تھے۔ یہ معبد جب تیار ہوگیا تو بڑی بڑی مناجاتوں اور دعاؤں کے ساتھ یہ "تابوتِ سکینہ" اس کے ایک کمرے میں رکھا گیا۔ اس کمرے کو "حجرۂ اقدس" کہتے تھے۔ اس میں اسرائیلیوں کا سب سے بڑا پیشوا بھی سال میں ایک ہی مرتبہ داخل ہو سکتا تھا۔

اس بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے بنی اسرائیل اپنے مذہبی رسوم "قادسیہ" کے ایک کنویں پر ادا کیا کرتے تھے۔ مگر جب بیت المقدس بنا تو اب یہی گھر اسرائیلیوں کی عبادت گاہ بنا۔ وہ مذہبی رسوم اور مذہبی قربانیاں اسی بیت المقدس میں ادا کرتے تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق اس گھر سے باہر ان کی کوئی قربانی یا عبادت قبول نہیں ہوتی تھی۔

سلطنت کی تقسیم

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ آپ کے بیٹے "رجعام" جنوبی فلسطین کے حکمران تسلیم کئے گئے۔ شہر یروشلم اور بیت المقدس اسی علاقے میں تھا۔ بنی اسرائیل کے دو قبائل یعنی اولادِ

یہودا اور اولادِ بنیامین اسی جنوبی حصے میں آباد تھے۔ انہیں دونوں قبیلوں نے "رحبعام" کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ بنی اسرائیل کے باقی دس قبائل نے اپنی بادشاہت الگ قائم کی۔ یہ شمالی فلسطین کی حکومت تھی۔ اس کا دارالسلطنت "سماریہ" تھا۔ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان سخت عداوت و رقابت رہتی تھی۔ اسی رقابت و عداوت نے ان لوگوں کو وہ روزِ بد دکھایا کہ یہ تسبیح کے دانوں کی طرح دنیا کے مختلف ملکوں میں بکھر گئے۔ حتیٰ کہ آج ان کے آثار کا پتہ لگانا بھی دشوار سمجھا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کی پہلی اسیری

اس انتشار و پراگندگی کا سبب یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی شمالی سلطنت نے مصر کی حکومت سے مل کر فلسطین کی جنوبی حکومت کو ختم کرنا چاہا۔ جنوبی سلطنت جو محض دو قبائل پر مشتمل تھی جب اس نے کوئی چارۂ کار نہ دیکھا تو "آشوری بادشاہ شالمنزار" کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ وہ تو اس موقعہ کی تاک ہی میں تھا آندھی اور طوفان کی طرح آیا۔ سماریہ کا محاصرہ کیا لیکن یہ محاصرہ اتنا طول پکڑ گیا کہ شالمنزار اسی محاصرے کے دوران مرگیا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا سرگون تخت پر بیٹھا۔ اس نے یہ محاصرہ جاری رکھا حتیٰ کہ بنی اسرائیل اس کی تاب نہ لا سکے اور آخر شہر پناہ کا پھاٹک کھول دیا۔ سرگون موت کا دیوتا بن کر اس شہر میں داخل ہوا۔ ہزاروں اسرائیلیوں کو قتل کیا اور ان قبائل کے دس ہزار امراء و شرفاء کو غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ بنی اسرائیل کی پہلی اسیری تھی۔

دوسری اسیری

اہلِ سماریہ نے اپنی قوم کے دس ہزار منتخب اشخاص کو غلام بنانے کے بعد آشوری بادشاہ سے صلح کرلی۔ مگر وہ شرائطِ صلح پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے اور چند ہی سال کے بعد آشوری بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ بنی اسرائیل کی اس بدعہدی سے سرگون ایسا مشتعل ہوا کہ ایک لشکرِ جرار لیکر اہلِ سماریہ پر چڑھ دوڑا۔ بھلا بنی اسرائیل میں تابِ مقاومت کہاں تھی، شکست کھائی۔ قتل ہوئے۔ جو بھاگ سکے اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ جو بچ گئے سرگون انہیں جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہانک کر اپنے دارالسلطنت نینوا لے گیا اور پھر انہیں آرمینیا اور میڈیا کے جنگلوں میں بکھیر دیا۔ یہ کوئی ہزار دو ہزار آدمی نہیں تھے ان کی تعداد تیس لاکھ سے بھی زائد بتائی جاتی ہے یہ بنی اسرائیل کی دوسری اسیری تھی۔ انہیں قبائل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل ہیں۔ یہ فلسطین واپس آئے۔ نہ مورخوں کو کسی ملک میں ان کا نشان مل سکا۔ معلوم نہیں انہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔

سلطنتِ یہود کا انجام

یہ تو تھی بنی اسرائیل کی سرگزشت۔ اب ذرا

ان یہودیوں کا انجام بھی سُن لیجیے جن کی سلطنت ابھی تک یروشلم اور اس کے آس پاس قائم تھی اور جو بنی اسرائیل کی اسیری کا موجب ہوئے تھے۔

ایک دن اس قوم کو بھی روزِ بد نے تاکا۔ آشوریوں کے بعد جو دوسری طاقت ملکِ شام کے اردگرد اُبھری وہ کلدانیوں کی طاقت تھی۔ ایک مرتبہ یہودیوں کی چھوٹی سی سلطنت اس سے بھی چھیڑ چھاڑ کر بیٹھی۔ پھر کیا تھا کلدانی بادشاہ بخت نصر ایک فوج ظفر موج لیکر ان کی گوشمالی کو نکلا۔ یہودیوں نے شکست کھائی۔ آخر سالانہ ایک معین رقم ادا کرنے کا وعدہ کرکے اسیری سے چھٹکارا حاصل کیا۔ مگر چند ہی سال کے بعد ان پر پھر نحوست و ادبار کا سایہ پڑنے لگا اور اس قوم نے ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ بخت نصر کے نزدیک ان کا یہ جرم ایسا نہ تھا کہ وہ اسے معاف کر دیتا۔ وہ ان کو عبرتناک سزا دینے کا ارادہ کرکے بابل سے چلا اور خاص شہر یروشلم پر دھاوا بول دیا۔ مقابلہ کی طاقت کس میں تھی۔ رہی بھر کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ بیت المقدس کی ایسی بے حرمتی کی کہ پہلے اس کا سامان لوٹا اور پھر اس کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ پھر وہ یہودیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس وقت اسے جتنے یہودی مل سکے سبھوں کو گرفتار کرکے بابل لے گیا۔ خدا کا شکر کہ ان کو آشوری بادشاہ کی طرح نامعلوم جنگلوں میں نہیں بکھیرا بلکہ بابل اور اس کے آس پاس ہی بسایا۔ یہ اولادِ یعقوب کی تیسری اسیری تھی۔ تین سو نوے سال کے عرصے میں یہ تین بار اسیر ہوکر وطن سے بے وطن ہوگئے۔

ایرانیوں کا عروج

یہ یہودی جو کلدانی بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطن ہوئے تھے ان کی خوش قسمتی کہیئے کہ ایک صدی کے اندر ہی طاقت کا توازن کلدانیوں کے ہاتھ سے نکل کر ایرانیوں کے ہاتھ میں آگیا۔ ایران کے تخت پر جب شاہ خورس بیٹھا تو اس نے ان یہودیوں کو قیدِ غلامی سے آزاد کر دیا۔ اور انہیں اجازت دے دی کہ اپنے آبائی وطن یروشلم میں جاکر آباد ہوجائیں۔ چنانچہ یہودیوں کا پہلا قافلہ حضرت زرد بابل کی قیادت میں بابل سے یروشلم کی طرف چلا۔ ایران کے دوسرے بادشاہ طہماسپ نے ان کے ساتھ یہ خاص رعایت کی کہ بیت المقدس کا جو سامان بخت نصر لوٹ لایا تھا وہ واپس کر دیا اور یہودیوں کو بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کی اجازت دیدی۔ چنانچہ یہودیوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیت المقدس کی پھر سے تعمیر شروع کر دی۔ اس کو بیت المقدس کی دوسری تعمیر کہتے ہیں۔ یہود اور بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس تعمیرِ نَو کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بعد ہی ان میں کئی اصلاحات کا نفاذ ہوا۔ سورۂ بقرہ میں اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ میں یروشلم کی اسی بربادی اور دوبارہ تعمیر کا ذکر ہے۔ یہ کشف حضرت حزقیل علیہ السلام نے دیکھا تھا۔ خدا نے ان کو بتایا کہ یہ برباد شدہ شہر اور ہیکل سلیمانی سو سال کے اندر پھر نئے سرے سے بن جائے گا۔ اور ایسا ہی

ہؤا۔ (خلاصہ درس القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت عزراؑ

اس کے چند سال بعد حضرت عزراؑ ستر ہزار یہودیوں کا دوسرا قافلہ لیکر یروشلم آئے۔ بنی اسرائیل میں ان کی حیثیت ایک مصلح کی تھی۔ انہیں کو یروشلم کے کھنڈرات میں "تورات" کا نسخہ ملا۔ جسے انہوں نے نئے سرے سے مدوّن کیا اور چند کتب کا اضافہ بھی کیا۔ یعنی کتاب تواریخ ۱۔۲ اور کتاب عزرا۔ اس کے علاوہ کتاب نحمیاہ کی تالیف میں بھی ان کا دخل تھا۔ اور بعضوں کا خیال ہے کتاب "آستر" اور کتاب "ایوب" جن کے مولف غیر معلوم ہیں عزرا ہی کی تالیفات ہیں۔ انہوں نے ہی بنی اسرائیل کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ "بیت المقدس" کے علاوہ دوسری جگہ بھی مذہبی رسوم ادا کر سکتے ہیں۔ اسی اجازت کے بعد بنی اسرائیل اور یہود نے دوسری جگہ کنیسہ (Synagog) بنانے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ امر ثابت ہے کہ مہاراشٹر (بھارت) کے اسرائیلیوں کو اس رخصت کا علم دو ہزار سال بعد ہوا۔ یہ ان اصلاحات کے نفاذ سے پہلے یروشلم چھوڑ کر بھارت آ گئے تھے۔

غرض ایرانی بادشاہوں کی عدل گستری یا یہود نوازی کے باعث یہودی دوبارہ یروشلم میں آکر آباد ہوئے۔ مگر کیا کارکنانِ قضاء و قدر یہودیوں کی اس آمد سے خوش تھے؟ ہرگز نہیں۔ اسلئے ان کے بعد بھی یہودیوں کو اور دو مرتبہ ایسے ہولناک مصائب سے دوچار ہونا پڑا کہ وہ بے گھر بے در بھی ہو گئے اور ان کا بیت المقدس بھی جلا کر بھسم کر دیا گیا۔

انطیوکس یونانی

یہودیوں نے چوتھی بار اس وقت یروشلم سے راہِ فرار اختیار کی جب یونانی بادشاہ انطیوکس نے یہودیوں کی آئے دن کی بغاوت و سرکشی سے تنگ آکر نسل کشی کی ایک مہم چلائی۔ یہودی بے دریغ قتل کئے جانے لگے۔ جہاں کوئی یہودی ملتا قتل کر دیا جاتا۔ یہودیوں کے لئے یہ زمانہ موت اور ہلاکت کا زمانہ تھا۔ اسلئے وہ گھبرا گھبرا کر جدھر اُن کی صورت نظر آئی اُدھر چلے گئے۔ یہ ۱۷۵ ق۔م کی بات ہے۔ کہتے ہیں کہ انطیوکس کے عہد میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد یروشلم چھوڑنے پر مجبور ہوئی۔ کوچین (بھارت) میں جو یہودی ہیں ان کا بڑا حصّہ اسی زمانے میں یروشلم سے ہجرت کر کے یہاں آیا۔

طیطس رومی کا حملہ

یروشلم پر جو پانچویں بار تباہی آئی وہ ۷۰ء میں طیطس رومی کا غضبناک حملہ تھا جس کے نتیجے میں یروشلم کے ساتھ بیت المقدس بھی جل کر بھسم ہو گیا۔ اس بادشاہ نے یہودیوں کی تمام بستیوں کو اُجاڑ دیا۔ لوگ انکے مظالم سے بچنے کے لئے عرب، مصر اور بھارت جیسے دُور دراز ملکوں کی طرف بھاگ گئے۔

بنی اسرائیل اور یہودیوں کی یہ المناک سرگزشت

سُنانے کے بعد اب ذرا ہمیں اس کے متعلقات پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ جب کسی قوم پر ایسی مصیبت آتی ہے تو اس قوم کے دانشمند عوام وخواص یا بقیۃ السیف اپنی جان ومال اور عزت وآبرو بچانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ سب سے پہلے وہ قید غلامی یا قتل و ستم سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور پُرخطر جگہ کو چھوڑ کر محفوظ جگہ ہجرت کر جاتے ہیں۔ اسرائیلیوں اور یہودیوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان دونوں کے دانشمند طبقے نے بھی یہی طریق اختیار کیا۔ اور بہت سے لوگ ظالموں کی نظروں سے بچ کر محفوظ مقامات کی طرف کوچ کر گئے۔ کسی نے خشکی کی راہ لی اور کسی نے بحری راستہ اختیار کیا۔ کچھ لوگ عرب کے اندرونی علاقے میں روپوش ہو گئے، کچھ مصر وافریقہ چلے گئے اور کچھ لوگ برصغیر ہند و پاک کی طرف آ گئے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ بنی اسرائیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے تجارتی بیڑے لیکر ہند و پاک کی بندرگاہوں پر آیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے لئے بحری سفر آسان ہوگا۔ اور وہ آشوری، کلدانی، یونانی اور رومی بادشاہوں کی دار وگیر سے بچنے کے لئے ہند و پاک آ گئے ہوں گے۔ بھارت کے وہ اسرائیلی مورخ جنہیں قیام اسرائیل کے بعد اپنے حسب ونسب کی فکر دامنگیر ہوئی ہے۔ خود اپنی تاریخ کے یہ ابواب منظر عام پر لا رہے ہیں۔

اسرائیلی مورّخ

ایم۔ ڈی JAFETH اپنی کتاب بھارت کے یہود (The Jews of India) میں لکھتے ہیں کہ کوچین کے یہودی آشوری بادشاہ کے قیدی ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ سرگون لاکھوں اسرائیلیوں کو قید کر کے اپنے ہمراہ نینوا لے گیا تھا جن کے متعلق پھر کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں چلے گئے۔ اس مورخ کا قول ہے کہ ان اسیروں کا ایک معتدبہ حصہ نینوا سے بھاگ کر ساحل مالابار پر آ گیا۔

اسی مورخ نے بخت نصر کے متعلق لکھا ہے کہ جب اس نے فلسطین کی جنوبی سلطنت کو تباہ کیا تو ۷۰ ہزار (ستر ہزار) یہودی فلسطین سے بھاگ کر مالابار کے ساحل پر آ گئے۔ پھر جب طیطس رومی نے سنہ ۷۰ء میں یروشلم اور بیت المقدس کو تباہ کیا تو اس وقت دس ہزار یہودی ساحل مالابار پر آ کر پناہ گزین ہوئے۔

دوسرے مورخ "کے ہمکر" نے اپنی کتاب "بھارت کے بنی اسرائیل کی تاریخ" (The History of Beni Israel of India) میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۷۵ ق۔م میں جب انطیوکس نے یہودیوں کی نسل کُشی کی مہم چلائی تو اس وقت فلسطین سے ہجرت کی ایک رَو چل پڑی اور مالابار کے سواحل پر زیادہ تر یہودی اس کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے پناہ گزین ہوئے۔

اسی مورخ نے اسی موضوع پر ایک اور کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "بمبئی پریذیڈنسی کے بنی اسرائیل کی تاریخ"

ایک اور اسرائیلی مورخ جس نے اس موضوع پر ایک گراں قدر کتاب لکھی ہے "SHELIMSAMUEL"

اس کی کتاب کا نام ہے " مہاراشٹر کے بنی اسرائیل"
(Beni Israel of Maharashra State) -

ان تمام کتابوں میں یہ دعاوی دہرائے گئے ہیں کہ مالابار اور مہاراشٹر میں جو یہود اور اسرائیلی آبادیاں ہیں وہ فلسطینی ہیں اور یہ لوگ چار سو سال قبل مسیح سے وقتاً فوقتاً یہاں آ آکے آباد ہوتے رہے ہیں ان میں زیادہ تر تو پناہ گزین ہیں۔ جو ظالم بادشاہوں کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے یہاں آ گئے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو عہدِ سلیمانی سے یعنی آٹھ سو سال قبل مسیح سے بسلسلۂ تجارت یہاں مقیم تھے۔ انہوں نے جب سُنا کہ فلسطین غیر ملکی حملہ آوروں کی آماجگاہ بن گیا ہے تو وہ بھی یہیں مقیم ہو گئے۔

مالابار کی یہود آبادیاں

اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہودیوں کی بستیاں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مالابار کے تمام ساحلوں پر پھیلی ہوئی تھیں مگر ان میں سے ایک بستی کے یہودیوں کو دوسری بستی کا پتہ نہیں تھا۔ یا پتہ تو تھا مگر وہ الگ الگ رہتے تھے ممکن ہے کہ یہ بات قبائلی عادت کی بنا پر ہو یا وہ اسی میں اپنی سلامتی سمجھتے ہوں۔ کہ وہ اس نئے ملک میں کوئی جتھہ بنا کر نہ رہیں تا یہاں کے حکمرانوں کو انکا استحکام اور اجتماعی ہیئت دیکھ کر ان پر شبہ کرنے کا موقعہ نہ ملے۔

تھوما تواری

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زمانہ ان کے لئے خوف وہراس کا زمانہ تھا۔ یہودیوں پر کب تک نفسا نفسی کا یہ سماں رہا؟ گمان غالب یہ ہے کہ وہ جناب تھوما تواری کی آمد تک اسی بےکسی و اجنبیت کی زندگی گزارتے رہے۔ قوموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کسی قوم پر ایسی حالت طاری ہوتی ہے تو پھر کسی مصلح یا مجدد ہی کے ذریعہ ان کی یہ کیفیت دُور ہوتی ہے۔

یہ یقینی بات ہے کہ جب تھوما تواری کرنگانور پہنچے تو وہاں یہود پہلے سے مقیم تھے۔ اس بستی میں ان کے استقبال کے لئے جو شخص سب سے پہلے نکلا وہ ایک یہودی لڑکی تھی۔ کرنگانور کوچین سے اٹھارہ میل جانب شمال ہے۔

یسوع مسیح کی پیشگوئی

غرض جب تک تھوما تواری جنوبی ہند نہ آئے یہ یہودی تقدیر پر قناعت کئے الگ الگ پڑے رہے۔ آپ نے ان سبھوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پیش کی۔ وہ یہودی جو قبل مسیح ترک وطن کرکے یہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے انہیں تو ظہور مسیح کی خبر نہیں تھی لیکن وہ یہودی جو طیطس رومی کے عہد میں یہاں آکر مقیم ہوئے تھے انہیں صرف یہی علم نہیں تھا کہ یروشلم میں ایک شخص نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا بلکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اسی برگزیدہ شخص کی پیشگوئی کے مطابق یروشلم پر تباہی آئی۔ اسلئے وہ لوگ تھوما تواری

کے ہاتھ پر مجتمع ہوگئے اور دوسرے یہودیوں کے سامنے اس بات کی شہادت دی کہ واقعی ایک شخص نے یروشلم میں مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ علماءِ یہود نے ان کی مخالفت کی۔ اور جب یہ مخالفت میں غلو کر گئے تو اس شخص نے یہ پیشگوئی کی کہ عنقریب تمہارے اس استکبار و رعونت کے باعث یروشلم پر ایسی تباہی آئے گی جس کی نظیر ماضی کے صفحات میں نہیں ملے گی۔ (دیکھئے متی ۲۴/۱-۲) اور پھر آپ کی پیشگوئی کے مطابق تیس سال کے اندر ہی یروشلم، بیت المقدس اور قوم یہود پر ایسی تباہی آئی کہ آشوری، کلدانی، یونانی اور رومی بادشاہوں کا ظلم و ستم بھی اس کے سامنے ماند پڑ گیا۔

جب کرنگانور وغیرہ کے ہزاروں یہودیوں نے اس بات کی شہادت دی تو دوسرے یہودیوں کو بھی جناب مسیح پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان میں اجتماعی زندگی کے آثار نظر آنے لگے اور اب مالابار کے راجے اور مہاراجے بھی انہیں قابلِ التفات سمجھنے لگے۔ انہیں اپنا شہر بسانے کے لئے زمین کے قطعات دیئے گئے۔ ان کے ایک طبقے مدلیار کو امورِ مذہبی میں بالکل آزاد قرار دیا گیا اور یہ اجتماعی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزارنے لگے۔

مورخوں کی نارسائی

بعض مورخوں نے یہ جو لکھا ہے کہ کوچین کے یہودی ایک سو یا دو سو سال بعد مسیح یہاں آئے۔ دراصل ان کو اسی بات سے اشتباہ ہوا ہے۔ یہ یہودی کئی صدیوں سے یہاں گمنامی اور خوف و ہراس کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مورخوں کو ان کا کچھ پتہ نہیں ان کی رسائی تو محض راج درباروں تک ہوتی ہے اسلئے جب کسی کو راج دربار میں پاتے ہیں تو اس کے وجود کی تصدیق کرتے ہیں ورنہ ان کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ تعجب ہے کہ تھوما حواری جیسا عظیم انسان جس نے مالابار کے یہودیوں میں انقلاب کی ایک لہر دوڑا دی اور جس کے آثار آج کیرالا، مدراس اور مہاراشٹر میں پائے جاتے ہیں۔ یہ مورخ ان کو بھی تاریخی شخصیت قرار نہیں دیتے۔

تانبے کی پلیٹ

"کیے ہمکر" نے ان یہودیوں کی تاریخ آمد کے متعلق ایک اور نشاندہی کی ہے۔ اس کا ذکر بھی مفید ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ کوچین کے یہودیوں کے پاس "تانبے کی ایک پلیٹ" ہے۔ اس میں پیدائشِ عالم کا سنہ ۴۱۳۹ ہے۔ اس حساب سے وہ یہودی پندرہ سو سال قبل یہاں آئے لیکن ان کا یہ بیان ہے کہ وہ جب یہاں آئے تو قدیم عہد کی یہود آبادیاں پہلے سے یہاں موجود تھیں۔

مہاراشٹر اسٹیٹ

مالابار کے بعد اب میں بھارت کی مہاراشٹر اسٹیٹ کی طرف آتا ہوں۔ اس اسٹیٹ کی وہ پٹی جس کو "کوکن کی پٹی" کہتے ہیں، جو پانچ سو میل لمبی اور تیس

بتیس میل چوڑی ہے۔ آج اس کوکن میں کئی ایسے مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے جہاں بنی اسرائیل کی پرانی آبادی پائی جاتی تھی جیسے نورباغ، نیاگاؤں اور جنجیرا یعنی قلابہ اور رتناگیری کے ساحلی مقامات۔ اگرچہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں یہ تمام اسرائیل سمٹ کر بمبئی اور اس کے قرب و جوار میں بس گئے لیکن یہ خود اپنی قومی تاریخ جو بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

کوکن کے بنی اسرائیل

وہ کہتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد سات سو سال قبل مسیح قلابہ کے ساحلی مقام نوگاؤں میں پناہ گزیں ہوئے تھے ان کی سرگزشت یہ ہے کہ یہ لوگ سامانِ تجارت لیکر کوکن کی بندرگاہ CH EUL یا اوفیر (OPHIR) کی طرف آرہے تھے کہ Cheul سے پندرہ بیس میل دُور اُن کا جہاز ایک طوفان کی لپیٹ میں آگیا، وہ جہاز ڈوب گیا۔ اس میں جتنے اسرائیلی سوار تھے ان میں سے سات مردوں اور سات عورتوں کے سوا باقی تمام لوگ سمندر میں غرق ہوگئے۔ یہ چودہ افراد جو زندہ بچ گئے تھے وہ نوگاؤں ضلع قلابہ (کوکن) میں پناہ گزیں ہوئے۔ ان اسرائیلیوں کے متعلق ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ لوگ حملۂ شالمنزار کے وقت فلسطین سے بھاگے تھے اور بھارت میں پناہ لینے آرہے تھے کہ یہ حادثہ پیش آگیا۔

یہودی قبرستان

نوگاؤں کے قریب آج بھی ایک ایسے قبرستان کی نشاندہی کی جاتی ہے جس میں ان غرقاب اسرائیلیوں کی لاشیں دفنائی گئی تھیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس علاقے کو قلابہ کا نام انہیں لوگوں نے دیا۔ اسی طرح اس علاقے میں ایک مقام کا نام "اکولہ" ہے اور یہ وہ نام ہے جو نئے عہد نامہ کے تھسلنیکیوں ۴/۹ میں بھی آتا ہے۔

جو چودہ افراد اس حادثہ سے بچ گئے تھے وہ نوگاؤں میں آباد ہوگئے مگر ان کی حالت قابلِ رحم تھی۔ غریب الوطن، تہی دست اور مصیبت زدہ۔ ایک دردسر یہ تھا کہ ان کی عورتیں مقامی عورتوں کے مقابل بہت حسین و جمیل تھیں اسلئے یہ خوف بھی دامنگیر تھا کہ کہیں اس علاقے کا راجہ دست درازی نہ کر بیٹھے۔ انہیں وجوہ کی بناء پر وہ لوگ خوفزدہ و سراسیمہ رہتے تھے۔ ان کی یہ قابلِ رحم حالت دیکھ کر مقامی لوگوں نے ان کو اپنے ہاں پناہ دی۔

اصحاب السبت

یہ لوگ فلسطین میں تیلی کا پیشہ کرتے تھے یہاں بھی یہی پیشہ اختیار کر لیا۔ یہ لوگ اپنی قومی و مذہبی روایت کے مطابق سنیچر کو دنیوی کام کاج چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہوجاتے۔ سنیچر کے دن انکے گھر آگ بھی نہیں جلتی تھی۔ اسلئے یہ بہت جلد "شنیوار تیلی" کے نام سے مشہور ہوگئے۔ مگر کوکن کے مقامی باشندے ان کے حسب نسب اور قومیت سے ناواقف تھے۔ کس کو ضرورت تھی کہ ان چند افراد کی تاریخ کی جستجو کی جائے۔ بھارتیوں کی بے نیازی

کا تو یہ عالم ہے کہ دو مختلف عقائد کے لوگ پشتہا پشت سے ایک ہی جگہ رہتے ہیں مگر ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے جس نے "شنیوار تیلی" کی اصل معلوم کرنی چاہی وہ مرہٹہ پیشوا "راگھوبجی انگریا" تھا۔ اس نے ان لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اس کے دربار میں آکر اپنی قومی تاریخ بیان کریں۔ اسرائیلیوں میں سے ایک شخص سموئیل یعقوب نے ان کے دربار میں ایسی تفصیل سے اپنی قومی تاریخ بیان کی کہ "راگھوبجی" سن کر دنگ رہ گیا۔ اسی دن یہ معلوم ہوا کہ "شنیوار تیلی" دراصل وہ سنیچر منانے والے تیلی ہیں جن کو اسلامی اصطلاح میں "اصحاب السبت" کہا جاتا ہے۔

قبیلہ لاوی سے تعلق

"کے ہمکر" کی تحقیق یہ ہے کہ کوکن کے بنی اسرائیل گلیل اور فلسطین کے شمالی صوبے کے باشندے تھے اور لاوی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اس کے ثبوت میں بہت سی ایسی رسوم کا حوالہ دیا ہے جو کوکن کے بنی اسرائیل بھی اسی طرح مناتے ہیں جس طرح گلیل کے اسرائیل مناتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوکن کے بنی اسرائیل ایک ایسا روزہ رکھتے ہیں جو روزہ گلیل میں لاوی قبیلہ رکھتا تھا۔ اس روزے میں وہ گھر سے باہر نکلتے ہیں نہ کسی غیر اسرائیلی سے بات چیت کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اسرائیلی جنہوں نے مرہٹوں کی ریاست بھور (پونا) کی فوج میں ملازمت کی انہیں ابراہیم لاوی کی نسل لکھا گیا تھا۔

کوکن کے اسرائیلیوں کا تلفظ بھی ویسا ہی ہے جیسا گلیل کے اسرائیلیوں کا تھا۔ یہ حروف حلقی صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح شین کو بھی سین بولتے ہیں۔ انہوں نے ان کوکنی اسرائیلیوں کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جانور کے ذبیحہ میں اسی طرح احتیاط برتتے ہیں جس طرح گلیل کے اسرائیلی برتا کرتے تھے۔ یہ ذبح کے وقت خدا کا نام ضرور لیتے ہیں۔ ذبیحہ کے جسم سے خون اچھی طرح بہاتے ہیں۔ آدھ گھنٹہ پانی میں اور ایک گھنٹہ نمک میں رکھتے ہیں۔ ذبح کے بعد جانور کے دل، جگر اور پھیپھڑے کا معائنہ کرتے ہیں۔ اگر یہ صحت مند ثابت ہوتے ہیں تو اس کا گوشت کھاتے ہیں ورنہ نہیں۔ یہ مُردہ جانور۔ پرندے۔ درندوں کا پھاڑا ہوا جانور اور دم مسفوح نہیں کھاتے۔

کوکن کے اسرائیلی مورخوں کا عام خیال یہ ہے کہ یہ لوگ انہیں چودہ خوش نصیب اسرائیلیوں کی اولاد ہیں جو جہاز کے حادثے میں غرق ہونے سے بچ گئے تھے۔ ان کا ملک آشوری بادشاہوں کے ہاتھوں ویران ہو گیا تھا۔ سارے قبائل گرفتار ہو کر ملک بدر ہو گئے تھے اسلئے فلسطین سے ان کا کوئی رابطہ قائم نہیں رہا۔ اس کے بعد فلسطین کن حالات سے گزرا، وہاں بیت المقدس کی دوسری تعمیر کے بعد کن کن اصلاحات کا نفاذ ہوا، یہ ان باتوں سے بے خبر تھے۔ انہیں اپنی کتاب نماز بھی یاد نہیں تھی۔ نہ ان کے پاس تورات کا

کوئی نسخہ تھا۔ اسلئے یہ لوگ خدا کی عبادت صرف یہ کہہ کر کر لیا کرتے تھے کہ

اے میرے خدا۔ اسرائیل کے خدا

داؤد رجالی

سب سے پہلے ان کوکنی اسرائیلیوں کو کس نے پہچانا اور غیر ممالک کے بنی اسرائیل اور یہود سے ان کا تعلق قائم کیا؟ ان کا نام "داؤد رجالی" تھا۔ یہ مصر کا رہنے والا تھا۔ یہ کوکن کب آیا؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ اس کا زمانہ آمد بارھویں صدی عیسوی سے لے کر اٹھارھویں صدی عیسوی تک بتایا گیا ہے۔ بہرحال جب بھی وہ آیا اس نے یہاں "شنی واتیلی" کا ذکر سُنا اور بڑا متعجب ہوا۔ بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل کی تلاش تو اس کو بھی تھی۔ سوچا کہ شاید یہ انہیں میں سے ہوں۔ یہ سوچ کر ان لوگوں سے ملا۔ ان کا رنگ نقشہ دیکھ کر اس کو بھی شبہ ہوا کہ یہ "بنی اسرائیل" کے گم شدہ قبائل سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس نے شنی وار تیلیوں کا امتحان لیا۔

حلال و حرام مچھلیاں

ایک دن وہ بہت سی مچھلیاں لایا۔ ان میں وہ مچھلیاں بھی تھیں جو اسرائیلیوں کے نزدیک حلال ہیں اور وہ بھی تھیں جو اُن کے نزدیک حرام ہیں۔ دونوں قسم کی مچھلیوں کو ملا دیا اور ان کی عورتوں سے کہا کہ یہ مچھلیاں پکا کر لاؤ۔ ان عورتوں کے سامنے جونہی یہ مچھلیاں رکھی گئیں انہوں نے فوراً حلال مچھلیوں کو حرام مچھلیوں سے الگ کر لیا۔ یہ دیکھ کر داؤد رجالی کو یقین آگیا کہ یہ بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس نے ان میں تعلیم و تربیت کا کام شروع کیا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد علاقے کے کسی راجہ نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کا مزار ابھی تک "علی باغ" کے قریب موجود ہے۔

غالباً یہ کوکن کے بنی اسرائیل میں پہلی اصلاحی تحریک تھی۔ وہ زمانہ بھی مذاہب عالم میں اصلاحی تحریکات کا تھا۔ یعنی پندرھویں یا سولھویں صدی عیسوی داؤد رجالی کی کوششوں سے ان میں کچھ قومی و مذہبی بیداری پیدا ہوئی۔

عرب یہود کی آمد

اس کے بعد کوکن کے بنی اسرائیل میں جو قومی بیداری ہوئی اس کا سبب "عرب یہود" تھے۔ یہ تو آپ سُن چکے ہیں کہ فلسطین پر جب آفت آئی تو وہاں کے باشندے پناہ گاہ کی تلاش میں دوسرے ممالک کی طرف نکل گئے۔ چنانچہ بہت سے یہودی مصر اور عرب میں بھی پناہ گزیں ہو گئے۔ یہ لوگ فلسطین سے قریب تھے اور ان ممالک کے فلسطین سے سیاسی روابط بھی رہ چکے تھے اسلئے وہ اپنے مذہب اور وطن سے اس طرح بے تعلق نہیں ہوتے جیسے ہندوستان کے یہود و بنی اسرائیل۔ فلسطین کے حالات ان کو معلوم ہوتے رہتے۔ وہاں کوئی سیاسی انقلاب آتا یا

مذہبی اصلاحات کا نفاذ ہوتا تو ان کو کسی نہ کسی طرح ان باتوں کی اطلاع مل جاتی۔ عموماً یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اور مصر و عرب دو ایسے ممالک ہیں جو ہزارہا سال قبل مسیح سے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرتے آئے ہیں۔ جب یہ اپنے تجارتی بیڑے لیکر آتے تو کبھی کبھی ساحل پر بسنے والے یہودیوں سے بھی ملاقات ہو جاتی اور اس ملاقات سے ان کا قومی و مذہبی شعور بیدار ہوتا۔

امریکی پادری

لیکن کوکن کے بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس سے زیادہ اہمیت امریکی پادریوں کی آمد کو ہے۔ یہ بنی اسرائیل جو دو ہزار سال سے کوکن کے گاؤں اور شہروں میں سکونت پذیر تھے اپنی فلسطینی زبان یعنی آرامی یا عبرانی بھول چکے تھے۔ مراٹھی انکی مادری زبان ہو گئی تھی۔ جب پندرھویں صدی عیسوی میں اصلاحی مہم شروع ہوئی تو اس زبان میں انکے پاس اسرائیلیات پر کوئی کتاب نہیں تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک اپنے مذہب اور عقیدے کی کتاب اپنی مادری زبان میں نہ ہو اس وقت تک دینی تعلیمات اور قومی ثقافت کے سمجھنے میں سہولت پیدا نہیں ہوتی۔ اصلاحی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ پہلے "تورات" کا مراٹھی میں ترجمہ کیا جائے۔ مالا بار کے یہود جو تعلیم یافتہ اور مذہب کے پابند تھے وہ غالباً مراٹھی زبان سے ناواقف ہونے کے باعث ان کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

یہی حالات تھے کہ ۱۸۱۹ء میں امریکی عیسائیوں کی طرف سے "تورات" کی کتاب پیدائش کا ترجمہ مراٹھی میں شائع ہوا۔ جب یہ ترجمہ کوکن کے بنی اسرائیل کے ہاتھ آیا تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ ہزاروں سال کے بعد ان کو اپنی مذہبی کتاب پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ کوکن کے اسرائیلیوں میں مسرت کے ساتھ بیداری کی لہر بھی دوڑ گئی۔

یوں اصلاحی نقطۂ نظر سے یہ بات بہت خوشکن تھی مگر در پردہ ایک خطرہ بھی پرورش پا رہا تھا۔ خوف یہ تھا کہ کہیں مراٹھی بولنے والے اسرائیلی عیسائی نہ ہو جائیں۔ مالا بار کے یہودیوں کو جب اس تغیر پذیر صورت حال کی اطلاع ملی تو وہاں سے معلموں اور ٹیچروں کے گروہ آنے لگے۔ ان معلموں نے کوکنی اسرائیلیوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ جابجا دینی کلاسیں کھل گئیں۔ خصوصاً سنیچر کو انہیں تورات اور دیگر مذہبی کتب کا درس دیا جاتا۔

کوکنی اسرائیلیوں پر ان اصلاحی کوششوں کا بہت خوشگوار اثر پڑا۔ گھر گھر تورات اور دینی روایات کا چرچا ہونے لگا۔ ان کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ مالا بار کے ایک یہودی معلم نے بمبئی کے Synagag میں تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ "عالی جاہ" یعنی "ایلیا" کے دوبارہ آنے کی کتاب مقدس میں جو خوشخبری پائی جاتی ہے ممکن ہے کہ وہ ایلیا یہیں ظہور پذیر ہوں اس لئے

تم لوگوں کو ان کا استقبال کرنے کو تیار رہنا چاہیئے۔

بائیبل کا مراٹھی ترجمہ

امریکی پادریوں کی طرف سے بائیبل کا مراٹھی میں ترجمہ کرانے کی جو مہم شروع ہوئی تھی اس کی تکمیل تو ۱۸۳۲ء میں ہوئی مگر اس وقت تک کوچین کے بہت سے علماء یہود "کوکن" آکر یہاں کے بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہو گئے تھے۔

چند دنوں کے بعد یعنی ۱۸۳۳ء میں بغداد سے ایک متمول، مخیر اور قوم پرست یہودی بمبئی آئے یعنی "داؤد موسن"۔ انہوں نے بھی تحریک اسرائیل کو بہت تقویت پہنچائی۔ ۱۸۴۰ء میں کوچین کے ایک یہودی عالم نے "نماز" کی کتاب طبع کرائی اور ایک یہودی معلم نے "احکام عشرہ" (Ten Comandments) کا مراٹھی میں ترجمہ کیا۔

غرض پندرھویں صدی عیسوی سے کوکن کے بنی اسرائیل میں بیداری کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور آہستہ آہستہ وہ مذہبی شعور میں ترقی کرنے لگے۔ بیت المقدس کی دوسری تعمیر کے بعد فلسطین میں جن اصلاحات کا نفاذ ہوا تھا۔ یہ ان سے بھی واقف ہونے لگے۔

کنیسہ کی تعمیر

کوکنی اسرائیلیوں کی تجدید و اصلاح کے کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ کنیسہ Synagog کی تعمیر تھا۔ یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ بیت المقدس کی دوسری تعمیر کے بعد حضرت عزرا نے اسرائیلیوں کو دوسرے شہروں میں کنیسہ بنانے کی اجازت دی تھی لیکن کوکن کے اسرائیلیوں کو اس کا علم نہیں تھا۔ یہ بیت المقدس کی دوسری تعمیر سے پہلے ہی فلسطین چھوڑ کر یہاں آگئے تھے۔ اب جو مصر، عرب اور مالابار کے یہودیوں نے تجدید و اصلاح کی مہم چلائی تو ان کے منتشر اجزاء کو مجتمع کرنے کے لئے ۱۷۹۶ء میں ایک کنیسہ کی تعمیر کی گئی۔ یہ کنیسہ بمبئی میں بنایا گیا۔ مالابار کے ایک یہودی عالم "جودا قندیل" کو اس کا امام مقرر کیا گیا۔ انہوں نے ہی ان اسرائیلیوں کا جوش و خروش دیکھ کر کہا تھا کہ "عالی جاہ" یعنی "ایلیا" کا یہاں ظہور ہو سکتا ہے۔

گائے اور بکرے کی قربانی

کوکنی اسرائیلیوں کی نشأۃ ثانیہ میں کوچین کے علاوہ بغداد اور سورت کے یہودی تجار نے بھی بہت نمایاں حصہ لیا۔ انیسویں صدی میں یہ قربانی اور عبادت اسی اہتمام سے کرنے لگے جیسے فلسطین میں کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۶ء میں جب امساک باراں کے باعث کوکن میں قحط کی صورت پیدا ہوئی تو علی باغ کے اسرائیلیوں نے عرب یہودیوں کی سرکردگی میں کوکن کی ایک پہاڑی پر قربانی کی۔ پہلی قربانی گائے کی کی تھی۔ اس پر جب ہندوؤں میں بے چینی پیدا ہوئی تو اس کے بعد دو سو اسرائیلیوں نے Puza کے پہاڑ پر

دعاء باراں کے لئے جو قربانی پیش کی وہ بکری کی قربانی تھی۔

طالمود

ان اسرائیلیوں کو "طالمود" کی تدوین کی بھی خبر نہیں تھی جو یہودیوں کی احادیث و فقہ کی کتاب ہے لیکن اب یہ طالمود کے احکام کا بھی درس لینے لگے

بیت المقدس کی زیارت

رفتہ رفتہ ان کا مذہبی جوش اتنا بڑھا کہ ۱۸۸۰ء میں دو اسرائیلیوں نے بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا۔ ان کے نام تھے یعقوب اور سموئیل۔ یہ پورٹ سعید کے راستے بیت المقدس گئے۔ دو ہزار سال کے طول و طویل عرصے میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ کوکن کے دو اسرائیلی زیارتِ بیت المقدس سے شرف یاب ہو سکے۔ ان دونوں زائرین نے بمبئی واپس آکر ایک پبلک جلسہ میں روداد سفر سنائی اس کے بعد یہ دن بدن تنظیم اور اجتماعی زندگی میں ترقی کرتے گئے۔ تجارت اور دولت و ثروت میں ان کو نمایاں مقام حاصل ہوتا گیا۔ انہوں نے اب اپنا ایک رسالہ بھی جاری کیا یعنی "چراغِ اسرائیل"۔

یہ بمبئی میں کب جمع ہوئے؟

قیامِ اسرائیل سے پہلے بمبئی پریذیڈنسی میں بنی اسرائیل کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی۔ اب ان لوگوں کی اکثریت اسرائیل چلی گئی ہے۔ ان کے بمبئی میں اجتماع کی تاریخ یہ ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی جو مذاہبِ عالم میں نشأۃ ثانیہ کی صدی کے نام سے مشہور ہے ہندوستان کے لئے بھی زلزلہ افگن ثابت ہوئی۔ اسی صدی میں شمال مغرب کی طرف سے مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کیا اور جنوب کی طرف سے پرتگیزی بھارت میں داخل ہوئے۔ پرتگیزیوں کی آمد یہود اور بنی اسرائیل کے لئے کوئی خوش کن علامت نہیں تھی۔ پرتگیزی اپنے مذہبی جنون میں مشہور تھے انہوں نے مالابار آتے ہی سب سے پہلے کوچین کے ان یہودیوں پر ستم ڈھانا شروع کیا جو یہاں دو ہزار سال سے آرام و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ پھر جب پرتگالی گوا اور بمبئی تک پھیل گئے تو کوکن کے "شنی وار تیلیوں" (بنی اسرائیل) کیلئے بھی خطرے کی صورت پیدا ہوگئی۔ گوا اور کوکن دونوں پہاڑی ریاستیں ہیں لہذا پرتگالی گوا اور بمبئی پر قابض ہو گئے تو کوکنی اسرائیلیوں میں بھی اضطراب و بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

بمبئی پر انگریزوں کا قبضہ

یہ پرتگالیوں سے اس قدر خوفزدہ رہتے تھے کہ جب تک بمبئی پر پرتگالی قابض رہے انہوں نے بمبئی کی طرف آنا ہی چھوڑ دیا۔ ۱۶۶۱ء میں جب شاہِ پرتگال نے اپنی بیٹی "کیتھرائن" کو جہیز میں بمبئی دے دیا اور اس طرح بمبئی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تب بھی بنی اسرائیل یہاں آنے سے ڈرتے تھے۔

یہ خوف اتنا شدید تھا کہ اگرچہ ۱۶۸۶ء میں انگریزوں نے اپنا مرکز سورت (گجرات) سے بمبئی منتقل کر لیا پھر بھی اسرائیلیوں کو اطمینان نہ ہوا اور وہ ۱۷۵۰ء سے پہلے بمبئی کی طرف آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

۱۷۵۰ء کے بعد یہ کوکن کے مختلف علاقوں سے سمٹ کر بمبئی آنے لگے۔ ان لوگوں نے انگریزوں کی مذہبی رواداری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مالابار اور عرب کے یہودیوں نے ان کے لئے درس گاہیں کھولیں۔ وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی مادری زبان مراٹھی میں دینی تعلیمات کی کتابیں اور قومی روایات منتقل کیں اور ۱۷۹۶ء میں ایک کنیسہ Synagag کی تعمیر کی اور پھر "چراغ اسرائیل" نام کا اخبار جاری کیا۔

دیگر اقوام سے اختلاط کا نتیجہ

بنی اسرائیل کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس طول طویل عرصے میں بنی اسرائیل اور یہود نے اپنی انفرادیت کہاں تک برقرار رکھی۔ اس قوم نے اپنی تہذیب سے دوسری اقوام کو کہاں تک متاثر کیا اور خود دوسری اقوام کی تہذیب سے کہاں تک متاثر ہوئی؟ اس ضمن میں ہمارے سامنے سب سے پہلے مالابار کے ایک ہندو نائر کا نام آتا ہے جس نے یہودی ازم قبول کر لیا تھا بلکہ وہ یہودیوں کا مذہبی پیشوا بن گیا تھا۔ اس ہندو یہودی کا مالاباری یہودیوں کی تاریخ میں ہر جگہ ذکر آتا ہے۔ نائر جنوبی ہند

کے برہمنوں کی ایک اونچی ذات ہے۔

اس کے بعد ہم کوکنی اسرائیلیوں کی طرف آتے ہیں تو سب سے پہلے "چیت پاون" برہمنوں کا نام سنتے ہیں۔ ان کے متعلق خود کوکنی اسرائیلیوں کا یہ قول ہے کہ یہ انہیں چودہ اسرائیلیوں کی اولاد ہیں جو کشتی کے حادثے میں غرقابی سے بچ گئے تھے۔ انہیں "پرشو رام" نے برہمنوں کے طبقے میں شامل کیا۔ کوکن کے "چیت پاون" برہمنوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے مگر جو ہیں ان کی شکل و شباہت بالکل اسرائیلیوں جیسی ہے ان کا مراٹھی تلفظ بھی ویسا ہی غیر صحیح ہے جیسا اسرائیلیوں کا۔ اور یہ چیز اتنی نمایاں ہے کہ مراٹھی زبان میں "چیت پاون" برہمنوں کی زبان ایک خاص قسم کی زبان سمجھی جاتی ہے۔

۳ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کو انجمن اسلام بمبئی کے ہال میں مسٹر دلوی بی۔ ایچ۔ ڈی نے "زبان اور اس کا تلفظ" کے زیر عنوان ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس میں انہوں نے بھی مراٹھی زبان کے سلسلے میں "چیت پاون برہمنوں" کی زبان کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان برہمنوں کا مراٹھی تلفظ صحیح نہیں ہوتا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فلسطین میں بھی بُت پرستوں کی تہذیب سے متاثر ہوتے تھے اور اسی بناء پر یہودیوں نے ان کو اچھوت کا درجہ دیدیا تھا اور کوئی ایسی چیز جسے اسرائیلیوں نے

یہودیت اور برہمن ازم

ان دو مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند

میں کچھ ہندو یہودی ہوئے تو کچھ اسرائیلی ہندو۔ اگرچہ یہ دونوں باتیں حیرت انگیز ہیں۔ عام عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی غیر یہودی یہودی نہیں ہو سکتا۔ یہودیت کا تعلق صرف تورات پر ایمان لانے سے نہیں بلکہ یہ شرط بھی ہے کہ وہ حضرت یعقوبؑ یا یہودا کی اولاد ہو۔

اسی طرح برہمن ازم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی غیر برہمن کو برہمن کے زمرے میں شامل کر لیا جائے۔ برہمن وہی کہلا سکتا ہے جو برہمن کی نسل سے پیدا ہوا ہو۔

ممکن ہے کہ ان دونوں قوموں نے یہ قاعدہ بعد میں وضع کیا ہو۔ درحقیقت یہودیت یا برہمن ازم کی بنیاد حسب و نسب پر نہ ہو۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب واقعات اور عقائد میں تقابل ہو تو کس کو ترجیح دی جائے۔ ہم ان بیانات پر اکتفا کریں جن میں تحریف کا بھی امکان ہے یا ادیانِ مذاہب کی ان سنتوں پر اعتماد کریں جن کا ثبوت عملی تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔

بنی اسرائیل کی مردم شماری

اس جگہ ایک اور مسئلہ غور طلب ہے۔ یہود اور بنی اسرائیل جو مختلف زمانوں میں ہجرت کر کے جنوبی ہند کے ساحلوں پر آباد ہوئے۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔ ہجرت کا یہ سلسلہ کم سے کم چار سو سال قبل مسیح شروع ہوا اور دو سو سال بعد مسیح تک جاری رہا۔ اس عرصے میں ہر قوم کی نسل ترقی کرتی رہی۔ جو ہزار تھے وہ لاکھوں ہو گئے اور جو لاکھ تھے ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی مگر اسرائیلی مورخ بھارت میں اپنی تعداد تیس ہزار سے زائد نہیں بتاتے۔ سوال یہ ہے کہ خاندانِ یہود و بنی اسرائیل ترقی کی بجائے تنزل کیوں کرتا رہا۔ ان میں کوئی خاندانی منصوبہ بندی ہوئی نہ نسل کشی کی مہم چلی۔ یہ عموماً یہاں بہت آرام، عزت اور آسودہ حالی کی زندگی بسر کرتے رہے؟ دکن میں جب مسلمانوں کی بہمنی سلطنت قائم ہوئی تو "جنجرہ" کوکنی اسرائیلیوں کا بڑا مرکز تھا۔ وہ یہاں پوری آزادی اور آسودگی کے ساتھ رہتے تھے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی کسی ہندو راجہ یا مسلمان بادشاہ نے ان کے خلاف کوئی مہم نہیں چلائی، اکے دکے حوادث کی اور بات ہے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ مردم شماری کے اعتبار سے ان کی آبادی گھٹتی گئی حتیٰ کہ آج ان کی گنتی صرف تیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب بھارت کے اسرائیلی مورخوں کو دینا چاہیئے تھا مگر انہوں نے سکوت اختیار کیا، شاید وہ اس معمے کو حل نہ کر سکے۔

لیکن جب ہم کوکن کے ساحلی مقامات کی سیر کرتے ہیں تو ہر جگہ اس معمے کا حل ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ اور وہ ہے ان مقامات کی وہ آبادی جو اپنی شکل و شباہت اور عادات و اطوار میں بھارت کے عام باشندوں سے ملتی ہے نہ جنوب و شمال کے شاہی خاندان سے۔ مگر وہ بہت خوبصورت، صحت مند اور ذہین ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ کوکن کے ساحلی

مقامات میں پائے جاتے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ مسلمان عربوں کی اولاد ہیں اور ان کا زیادہ حصہ عراق سے آیا ہے مگر میرا خیال ہے کہ یہ صرف عربوں کی اولاد نہیں بلکہ وہ بنی اسرائیل بھی ہیں جو مسلمان ہو گئے۔ انکے ناموں کے ساتھ آج بھی ویسا ہی عرف لگا ہوتا ہے جیسا یہودیوں کے ناموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے گور بکر، ہیر بکر وغیرہ۔ یہ عرف خاندان یا جگہ کی نسبت سے ہوتا ہے۔ اسرائیلی مورخوں کا اعتراف ہے کہ کوکن کے بنی اسرائیل یہ عرف اپنے آپ کو قوم یا جگہ کی طرف منسوب کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ آج کوکن میں سینکڑوں ایسے خاندان ہیں جو اس قسم کے عرف استعمال کرتے ہیں۔ ان میں بعض ممتاز خاندان ہیں۔ ان کے مردوں اور عورتوں کی شکل وصورت ادھر کے عام باشندوں سے بالکل مختلف ہے اسلئے قیاس یہ ہے کہ یہودیوں اور بنی اسرائیل کی بڑی آبادی اسلامی عقائد و تہذیب سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی اور یہ بھی عرب ہی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آخر یہ بھی تو مشرقِ وسطیٰ ہی کے رہنے والے تھے جو عرف عام میں عرب ہی کہلاتے ہیں۔

میمن، بوہرے اور خوجے

ان کے علاوہ بمبئی اور گجرات میں مسلمانوں کی جو تین بڑی جماعتیں پائی جاتی ہیں وہ میمن، بوہرے اور خوجے ہیں۔ خوجے تو خیر اب بالکل مغرب زدہ ہو گئے ہیں لیکن میمن اور بوہرے یہ دو جماعتیں ایسی ہیں کہ ان کا قومی لباس اور شادی بیاہ کے موقعہ پر کھانا کھانے اور کھلانے کا طریقہ یہودیوں اور بنی اسرائیل سے ملتا جلتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان معاشرتی امور میں کون کس کی تہذیب سے متاثر ہوا ہے۔ اگر اسی کے ساتھ کشمیر اور افغانستان پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں کے لوگ بھی عموماً اجتماعات میں اسی طرح کھاتے ہیں جیسے بمبئی، کوکن اور گجرات کے بنی اسرائیل، میمن اور بوہرے۔ پھر ان سبھوں کا قومی لباس بھی ڈھیلا ڈھالا سا ہوتا ہے جو بنی اسرائیل کے قومی لباس سے ملتا جلتا ہے۔ اِدھر ان تینوں قوموں کے سر پہ پگڑی بھی ایک ہی وضع کی ہوتی ہے۔ ان تمام آثار کو دیکھ کر یہ قول بالکل برمحل معلوم ہوتا ہے کہ کوکنی بنی اسرائیل کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا ہے۔

بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑیں

یہ جنوبی ہند کے یہود اور بنی اسرائیل کی وہ تاریخ ہے جو اُن کے ہم قوم مورخ خود مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ کیا اس تاریخ کی روشنی میں جناب مسیح کا یہ قول صحیح ثابت نہیں ہوتا کہ:۔

"جس طرح باپ مجھے جانتا ہے اور
میں باپ کو جانتا ہوں۔ اسی طرح میں
اپنی بھیڑوں کو جانتا ہوں اور میری
بھیڑیں مجھے جانتی ہیں اور میں بھیڑوں
کے لئے اپنی جان دیتا ہوں۔ اور میری
اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑخانہ کی

نہیں۔ مجھے ان کو بھی لانا ضرور ہے۔
اور وہ میری آواز سُنیں گی۔ پھر
ایک ہی گلہ ہوگا اور ایک ہی چرواہا"
(یوحنا $\frac{10}{16-14}$)

جنابِ مسیح کا یہ کلام کیسا معرفت افزا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ بنی اسرائیل دوسرے ممالک میں موجود ہیں اور یہ کہ ان میں ایمان لانے کی زیادہ صلاحیت وقابلیت پائی جاتی ہے۔ اس قول کی بنا پر اگر ہم یہ کہیں کہ کوکن کے اسرائیلیوں کو جناب تھوما نے پیغامِ نبوت پہنچایا اور ان کی بڑی اکثریت ایمان لے آئی۔ پھر وہی لوگ ظہورِ اسلام کے بعد مسلمان ہو گئے تو میرا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ قرآن مجید بھی ایسے عیسائی فرقوں کا ذکر کرتا ہے جن کی اکثریت مسلمان ہوگئی۔ الخ

کشمیر، افغانستان اور مغربی پنجاب کی تاریخ تو بار بار اس امر کی شہادت دے چکی ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام مورخوں کو وہ راہِ تحقیق دکھا گئے ہیں جس سے ان علاقوں کی تاریخ کے نئے نئے زاویے روشن ہو رہے ہیں۔

عمدۃ التواریخ کا حوالہ

آج سے سو سال پہلے لاہور کے ایک مورخ مفتی علی الدین صاحب نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے "عمدۃ التواریخ" یا "عبرت نامہ" اس کا قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن کی ملکیت ہے ۱۹۶۵ء میں "پنجابی اکیڈمی لاہور" نے انڈیا آفس سے عاریۃً وہ نسخہ لیکر شائع کیا۔ اس کی گیارھویں فصل قابلِ مطالعہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"مورخانِ اسلام تفصیل این اجمال چنیں بعرض می آرند کہ قوم افاغنہ بروایتے بنی اسرائیل اند۔ یعنی اولاد یعقوب علیہ السلام ملک طالوت دلیس ازاں در زمان حضرت شموئیل پیغمبر علیہ السلام و داؤد پیغمبر و حضرت سلیمان دیے کہ بود برہمان دین و آئین عبادت پرور دگار برحق و خالق مطلق اشتغال مے داشتند
و بروایتے نسب ایں گروہِ افغاناں بہ پسر کلاں حضرت یعقوب کہ یہود انام داشت مربوط می شود۔ القصہ در زمانِ سلیمان علیہ السلام آصف برخیا و ارمیا کہ عم زادہ بودند۔ آصف بمرتبہ وزارتِ سلیمان اعزاز و افتخار داشت۔ و مہمات مالی و ملکی را منتظم می ساخت۔ و افغنہ بمرتبہ سپہ سالاری حضرت سرفراز و ممتاز فرمودہ بودند۔

ترجمہ:۔ مسلمان مورخ اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق قوم افغان بنی اسرائیل ہیں یعنی حضرت یعقوبؑ کی اولاد۔

بادشاہ طالوت، شموئیل، داؤد اور
حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں
جو دین تھا اس کے مطابق یہ خدا کی عبادت
کرتے تھے۔

دوسری روایت کے مطابق افغانوں
کا یہ گروہ حضرت یعقوبؑ کے بڑے
لڑکے یہودا کی اولاد ہیں۔ القصہ سلیمان
علیہ السلام کے عہد میں آصف برخیا مرتبہ
وزارت پر پہنچے اور افغان مرتبہ
سپہ سالاری پر۔"

اس کے بعد مصنف نے تعمیر بیت المقدس کے متعلق
لکھا ہے کہ وہ افغانوں ہی کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو
پہنچی۔ پھر ان کے حالات یوں بیان کئے ہیں :-

"انتظام مہام بنی اسرائیل بعد وفات
سلیمانؑ در قبض آصف و افغنہ بود۔
چوں ہر دو برادر در عرصہ بست روز
پس و پیش داعی اجل را لبیک گفتند۔
اولاد و احفاد ایشاں در ملک شام
استقامت داشتند۔ چوں بخت نصر
را حق تعالیٰ استیلا داد بیت المقدس
را خراب کرد۔ بنی اسرائیل را بہ بندگی
و اسیری گرفت۔ و اکثرے اجلا وطن
نمود۔ ہمتر دانیال و حضرت عزیر
در بند گرفتار بودند۔ بعدہ دوازدہ
ہزار کس بنی اسرائیل کہ عالم و اورع
بودند حکم بہ پرستش ذات خود داد او
اوشان بر دین خود قائم بودہ جواب
دادند۔ ہمہ را قتل کردہ بدار کشید
و حضرت عزیر و دانیال را بجہت
بزرگی خلاص کرد۔ اولاد افغنہ و آصف
را در کوہستان غور و غزنی تا فیروز
کوہ و قندھار رسانید۔ از آں روز
ایں قوم افاغنہ در ایں کوہ مسکنت دارد۔"

ترجمہ۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد
بنی اسرائیل کے انتظامات افغان و
آصف کے قبضے میں آئے۔ جب یہ
دونوں چچا زاد بھائی بیس دنوں کے
اندر آگے پیچھے فوت ہوگئے تو ان کی
اولاد ملک شام میں مقیم ہوگئی۔ جب
اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو غلبہ دیا تو اس
نے بیت المقدس کو مسمار کر دیا۔ بنی اسرائیل
کو غلام بنایا اور اکثر کو جلا وطن کر دیا۔
دانیال اور حضرت عزیر بھی گرفتار ہوئے۔
اس کے بعد بارہ ہزار اسرائیلیوں کو کہ
عالم اور پرہیزگار تھے اپنی ذات کی
پوجا کا حکم دیا۔ انہوں نے اپنے دین
پر قائم رہ کر جواب دیا۔ بخت نصر نے
سبھوں کو دار پر چڑھا دیا۔ حضرت
عزیر و دانیال کو ان کی بزرگی کے باعث
رہا کر دیا۔ افغان اور آصف کی اولاد

کو غور اور غزنی کے پہاڑوں میں
فیروز کوہ اور قندھار تک پہنچا دیا۔
اس دن سے قوم افغان اس پہاڑ
میں سکونت رکھتی ہے۔

اس کے آگے اسلاف حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مکہ جا کر آباد ہونے کا ذکر ہے اور حضرت خالدؓ کے قبولِ اسلام کا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ بھی افغان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔

عمدۃ التواریخ (عبرت نامہ) کا یہ حصہ اس بات پر شاہد ہے کہ صرف مفتی علی الدین صاحب ہی نہیں بلکہ مسلمان مورخوں کا بالعموم یہی قول ہے۔ اور یہ بات اب اتنی واضح ہو گئی ہے کہ اب افغانستان کی جو تاریخ افغان سرکار کی منظوری سے شائع ہوئی ہے اس میں بھی افغانوں کو بنی اسرائیل کہا گیا ہے۔

غرض کشمیر اور افغانستان کے متعلق یہ بات بداہت کے ساتھ ثابت ہو گئی ہے کہ یہاں کے باشندے اسرائیلی الاصل ہیں۔

مسیح ہندوستان میں

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات کا امکان ظاہر فرمایا تھا کہ جناب مسیح ناصری صرف کشمیر میں ہی نہ رہے ہوں بلکہ اندرونِ ہند کے اور علاقوں کی طرف بھی گئے ہوں۔ اس سے اس طرف اشارہ ہوتا تھا کہ بنی اسرائیل کشمیر و افغانستان کے علاوہ اس برصغیر کے دوسرے علاقوں میں بھی سکونت پذیر ہیں

سینٹ تھومس چرچ

کوچین کے متعلق لوگوں کو معلوم تھا کہ وہاں یہودیوں کی آبادی پائی جاتی ہے۔ جناب مسیح نہیں تو ان کے بزرگ شاگرد ان کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں کوچین اور جنوبی ہند کے دوسرے علاقوں کی طرف آئے۔ ان یہودیوں کو پیغام نبوت پہنچایا۔ اور اسی جہاد کبیر میں جام شہادت نوش فرمایا۔ کیرالا، مدراس اور بمبئی کے سیرین چرچ اس پر گواہ ہیں۔ اور مدراس کا سینٹ تھومس چرچ اور سینٹ تھومس مونٹ تو ہر لحظہ اس عظیم صداقت کی گواہی دیتا رہتا ہے۔

اضلاع کوکن

لیکن یہ بات کہ جنوبی ہند کا وہ حصہ جس کو کوکن کہتے ہیں۔ جو تین اضلاع پر مشتمل ہے۔ یعنی قلابہ، رتناگیری اور تھانہ۔ اس پہاڑی علاقے میں بھی بنی اسرائیل کی آبادی تھی۔ یہ بات منظرِ عام پر نہیں آئی تھی۔ یہ تو سبھی جانتے تھے کہ بمبئی میں بنی اسرائیل رہتے ہیں۔ مگر ان اسرائیلیوں کی تاریخ کیا ہے؟ اس کا لوگوں کو علم نہیں تھا۔ لیکن جب ۱۹۴۸ء میں حکومت اسرائیل کا قیام ہوا۔ اور قرآنی پیشگوئی کے مطابق اکناف عالم سے یہود اور بنی اسرائیل سمٹ کر وہاں آنے لگے تو کوچین کوکن کے اسرائیلیوں نے بھی اسرائیل کا رُخ کیا اور وہ وہاں جا کر آباد ہونے لگے۔

مگر وہ سفید فام بنی اسرائیل جو یورپ، امریکہ اور مصر سے آئے ہیں انہوں نے بھارتی اسرائیلیوں کو دوسرے درجے کا اسرائیلی سمجھا۔ ان کا حسب و نسب مشتبہ یا غیر خالص قرار دیا گیا۔ ان کو رشتہ ناطہ قائم کرنے میں دقت پیش آنے لگی۔ اس صورتِ حال نے ان اسرائیلیوں کو اپنی تاریخ پر تحقیق کرنے کی دعوت دی اور ان کے مورخوں نے پے در پے تین چار کتابیں لکھ دیں۔ ان مورخوں کی تحقیقات کا جو خلاصہ ہے وہ میں نے اُوپر درج کیا ہے۔

تاریخ نویسی کا الگ الگ انداز

اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر قوم کی تاریخ نویسی کا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے اور بسا اوقات خاص نقطۂ نظر بھی۔ اسرائیلی مورخوں کی ان کتابوں میں بھی یہ نقص یا وصف نظر آتا ہے۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے تمام حصے کو تسلیم کر لیں۔ ہمارے لئے ان کی تاریخ کا جو حصہ کارآمد ہے وہ یہ ہے کہ یہ بھی بنی اسرائیل کی ان گمشدہ بھیڑوں میں سے ہیں جن کی جناب یسوع مسیح کو تلاش تھی اور یہ بات تمام مورخوں نے متفقہ طور پر تسلیم کی ہے بلکہ ان کو کئی اسرائیلیوں کو حسب و نسب میں ناقص یا نچلی قرار دیا ہے۔ پس ان کی کتابوں کا یہ حصہ ہمارے لئے جواہر پاروں کی حیثیت رکھتا ہے۔

الہام اور ابہام

"یہ بھی کیا الہام ہے
الہام میں ابہام ہے"

اے معترض شکوہ نہ کر
کچھ چاہیئے فکر و نظر

"ابہام" اِک اجمال ہے
اجمال بھی اکمال ہے

اجمال اِک رازِ جمال
کنزِ معانی کا کمال

حُسنِ تصوّر کا جہاں
اَللّٰہُ اَعْلَمُ کا نشاں

نکتہ ملا افہام سے
دھوکہ کچھ نہ دام سے

——— امین اللہ خان سالک

حاصلِ مُطالعہ

(۱)

(جناب ملک محمود احمد صاحب لاہور)

زمین سے پچاس ارب انسانوں کے لئے خوراک پیدا ہو سکیگی

سائنسدانوں کی طرف سے قرآنی بیان کی تائید

دنیا میں انسانی آبادی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی رفتار ایک عرصے سے ماہرینِ خوراک کے لئے لمحۂ فکریہ بن رہی ہے اور گاہے گاہے معاشی و اقتصادی "ناخداؤں" کی طرف سے خطرے کا بگل بجایا جاتا رہتا ہے لیکن خدا تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ آیت ۱۱) یعنی خدا تعالیٰ نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے ہیں اور اس میں بڑی برکت رکھی ہے اور اس میں رہنے والوں کے کھانے پینے کیلئے ہر چیز کو اندازہ کے مطابق بنا دیا ہے یہ سب کچھ چار دور میں کیا ہے۔ یہ بات سب پوچھنے والوں کے لئے برابر ہے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"اس آیت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ایک زمانہ میں زمین کو پوری غذا پیدا کرنے کے قابل نہیں سمجھا جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کا رد کرتا ہے اور فرماتا ہے ہم نے زمین میں ایسے سامان پیدا کر رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ حسبِ ضرورت غذا دے گی خواہ زمین سے نکال کر یا نئی غذا کے ایجاد ہونے سے یا آسمانی شعاعوں کی مدد سے۔"

(تفسیر صغیر۔ حاشیہ صفحہ ۶۲۹)

چنانچہ اب سائنسی ماہرین اس امر کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ زمین پر آبادی خواہ کس قدر بھی بڑھ جائے انسانی ذہن اسے خوراک بہم پہنچانے کی تدبیریں سوچ لے گا۔ اس ضمن میں امریکی ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین Dr. Glen T. Seaborg کا ایک بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ کہتے ہیں:۔

"Most of our best authorities on the Subject believe that

from a scientific and technological standpoint it will be possible for us to produce enough food to sustain a population of from 25 to 50 billion people."

{U.S. News and World Report, Jan 30, 1967}

یعنی امریکہ کے بہترین ماہرین کی اکثریت یقین رکھتی ہے کہ سائنسی نقطۂ نظر سے ہم اس قدر خوراک پیدا کرنے کے قابل ہو جائیں گے جو پچیس سے پچاس ارب تک کی آبادی کے لئے کافی ہوگی۔

یاد رہے کہ اس وقت دنیا کی آبادی اندازاً **سوا تین ارب کے لگ بھگ ہے۔**

(۲)

جناب الحاج مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا ٹوبہ ضلع سرگودھا

حضرت سید محمد خواجہ گیسو درازؒ کا ایک لطیف کشف

بعض وہ لوگ جو علوم روحانیہ سے بے بہرہ ہوتے ہیں بعض اوقات حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے کشوف پر اعتراض کرتے ہیں اور کشفی واقعات کو ظاہر پر محمول کر کے کفر تک کے فتوے لگاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں حضرت خواجہ گیسو درازؒ کا ایک کشف نقل کیا جاتا ہے جسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی مشہور تصنیف "اخبار الاخیار فی اسرار الابرار" میں درج کیا ہے۔ اس کا ترجمہ حال ہی میں "انوار صوفیہ" کے نام سے مکتبہ شعاع ادب لاہور نے شائع کیا ہے۔ جناب شیخ عبدالحق محدث لکھتے ہیں:-

"آپ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ راستین ہیں۔ پہلے دہلی میں رہتے تھے پھر دکن چلے گئے۔ آپ کا مزار مبارک گلبرگہ شریف میں ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

ثمر چہل و نہم ۴۹

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جھیل ہے جس کا طول و عرض تو مجھے معلوم نہیں لیکن اس کی گہرائی کمر تک ہے۔ اس میں کچھ لوگ جا رہے ہیں جن میں میں بھی ہوں۔ انہیں میں ایک پندرہ سالہ لڑکی ہے وہ بھی پانی میں جا رہی ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ ہم سب کمر تک برہنہ ہیں۔ وہ لڑکی ایسی حسین و جمیل ہے کہ اگر اس کا پرتو جنت کی حور پر پڑے تو وہ بھی خدائی کا دعویٰ کرنے لگے۔ اس کا

رنگ و رخسار اور قد و قامت جوان لڑکوں کا سا تھا اور حُسنِ صورت سے ایک رمز بیان کر رہی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان ایک فرسنگ کا فاصلہ تھا۔ اس نے مجھ کو اپنی طرف بُلایا چنانچہ جس طرح دولہا کو احترام کے ساتھ عروس کے پاس لے جاتے ہیں اس پانی میں تقریباً ایک فرسنگ سے میرا اُس سے اتصال کرایا گیا۔ غیب الغیب سے ایک شخص شاہد ہُوا اور اُس نے ہم پر چادر ڈال دی جیسے کوئی شخص کسی کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس حالت میں مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ مَیں اُس جمال اس حسن اور اُس لطافت میں عین وہ لڑکی ہوگیا ہوں اور وہ میری عاشق ہو گئی ہے اور میں اس کا عاشق ہوں۔ اسی اثناء میں میرے اور اُس لڑکی کے درمیان حضرت عیسےٰ پیدا ہوئے اور فریاد کی اَنَا ابْنُ اللہ۔ یہ سُن کر ہم دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ مَیں کہتا ہوں عیسیٰ میرا لڑکا ہے اور وہ کہتی ہے کہ میرا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فریاد کرتے ہیں اور اُچھلتے ہیں اور ہم دونوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مَیں نہ تیرا لڑکا ہوں نہ اُس کا۔ مَیں خود اپنا ہوں اور خود بخود ہوں۔ مگر وہ لڑکی پھر کہتی ہے کہ عیسیٰ میرا ہے۔ مَیں اپنے آپ کو اس کا عین پاتا ہوں اور وہ پانی جس کا بیان کیا گیا سر بسر سب کا سب مَیں ہی ہوں واللہ علیم حکیم۔

(انوارِ صوفیہ صفحہ ۲۸۸-۲۸۹)

۲۔ جناب شیخ محدث عبدالحق دہلوی کی رباعی اپنے پیر و مرشد کے متعلق

احمد خُوئے کہ عالمے بندہ اُوست
یوسف رُوئے کہ ماہ شرمندہ اُوست
عیسیٰ نفسے کہ جان و دل زندہ اوست
موسیٰ کہ لقائے دوست خواہندہ اوست

(انوارِ صوفیہ ص۲۶۵)

اس رباعی میں شیخ عبدالحق صاحب نے اپنے پیر و مرشد کو احمدؐ، یوسفؑ، عیسیٰؑ اور موسیٰؑ قرار دیا ہے۔

۳۔ دوعلیؓ

حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں کے مقابلہ پر بعض کتابوں میں ان کے فرضی یسوع مسیح کی حقیقت بیان کی ہے۔ مولوی صاحبان ان عبارتوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتک کی ہے۔ ایسے دوستوں

کی خدمت میں حضرت مولٰنا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار پیش ہیں۔ ان اشعار میں آپ نے ایک سُنّی عالم اور ایک شیعہ فاضل کا مکالمہ و محاورہ درج کیا ہے یہ اشعار حضرت مولٰنا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "سلسلۃ الذھب" سے نقل کئے گئے ہیں:-

شیعۂ پیش سُنئیے فاضل
گفت کے در علوم دیں کامل

باز گو رمزے از علیؓ ولی
کہ ترا یا فتم از و لیؓ علیؓ

گفت کے در و لائے من اہی
از کدامین علی سخن خواہی

زاں علی کش توئی ظہیر و معین
یا از اں کش منم رہی و رہین

گفت من گرچہ اندکے دانم
در دو عالم یکے علی دانم

شرح ایں نکتہ را تمام بگو
آں کدام است و ایں کدام بگو

گفت آں کو بود گزیدۂ تو
نیست جز نقش نو کشیدۂ تو

پیکرے آفریدۂ بخیال
گزرانیدۂ برو احوال

علی بہر خود تراشیدہ
خاطر از مہر او خراشیدہ

آگے لمبا قصیدہ ہے جس کا صرف لفظی ترجمہ عرض کرتے ہیں:-

"ایک شیعہ صاحب نے ایک سُنّی فاضل سے کہا کہ آپ کو دینی علوم میں کمال حاصل ہے، لہذا حضرت علی ولی اللہ کی کچھ تعریف بیان کریں۔ کیونکہ تمہارا بھی دعویٰ ہے کہ ہم علی سے محبت رکھتے ہیں۔ سُنّی فاضل نے جواباً کہا کہ اسے مجھے محبتِ علیؓ میں کمزور پانے والے! ذرا پہلے یہ بتلاؤ کہ کس علی کی طرف تمہارا رُوئے سخن ہے؟ کیا اُس علی کے متعلق جس کا تُو محب ہے یا اُس علی کے متعلق جس کا مَیں غلام ہوں؟ شیعہ صاحب نے کہا جناب میرے علم ناقص میں تو دونوں جہانوں میں ایک ہی علی ہے تمہارے نزدیک دو علی کون کونسے ہیں، ذرا تفصیل بتائیے؟ سُنّی فاضل نے کہا تیرا پیارا علی تو محض فرضی علی ہے جس کا تو نقاش اور موجد ہے۔ تیرے خیال نے ایک فرضی علی کو پیدا کیا اور پھر اس پر مختلف احوال طاری کئے۔ علی ایک تیرا پہلوان ـــــ غصیل اور کینہ ور ـ میدان جنگ میں آنے والا۔ بہادر۔ پُر تہوّر۔ بے باک۔ کینہ جو۔ فتنہ پسند۔ خوں ریز۔ غلامِ نفس۔ دین و اخلاق سے عاری۔ طاقتِ بازو سے درِ خیبر کو توڑنے والا۔ جو خلافت کا شوقین تھا لیکن ابو بکرؓ درمیان میں حائل ہو گیا۔ ابو بکرؓ کے بعد پھر خلافت کا طالب ہوا لیکن پھر عمرؓ کو مل گئی۔ جب عمرؓ کی وفات ہوئی تو خلافت

عثمانؓ نے حاصل کر لی۔ اس عرصہ میں اس نے حصولِ خلافت کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن اپنے مطلوب اور مرغوب امر یعنی خلافت کو نہ پاسکا۔ تینوں خلفاء اس پر غالب رہے اور وہ مغلوب ہی رہا۔ تو نادانی کی وجہ سے اس کے متعلق یہ تمام گمان رکھتا ہوا پھر بھی اس کو اسد اللہ الغالب کا خطاب دیتا ہے۔ ایسا علی ہر چھوٹے بڑے کے نزدیک یقیناً کوئی نہیں گزرا اور اس قسم کا علی اگر نہ ہو تو بہتر ہے۔ اور جس علی کا میں غلام ہوں وہ نفسِ دنی کو مارنے والا۔ نیک لوگوں کی محبت کے لئے جس کا دل بالکل پاک وصاف۔ دشمنانِ دین کے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں حاضر ہونے والا۔ اپنی نیکی اور مردانگی کی وجہ سے اپنی طاقت اور زور پر نہ اترانے والا جس کے وجود سے خدائی قدرت اور فضل نمودار ہوا۔ جس نے درِ خیبر کو توڑا نہ زورِ بازو سے بلکہ خدائی امداد سے۔ وہ خلافت کو اپنے لئے ایک مصیبت جانتا تھا اور بے ضرورت وہ اس آفت کا خواہاں نہ تھا لیکن جب پہلے خلفاء وفات پا گئے اور علی کے سوا خواص و عوام میں کوئی شخص خلافت کا اہل نہ رہا تو علیؓ نے دین کی نصرت کیلئے امانت خلافت کے بوجھ کو سر پر اٹھایا۔ وہ علی کمال مصطفویؐ کا مظہر تھا۔ لہذا خلافت نبویؐ اس کے وجود پر ختم ہوئی اور جس طرح آنحضرت محمد مصطفیٰ صلعم خاتم نبوت تھے اسی طور پر **حضرت علی خاتم ولایت ہوئے۔**

یہ علی اخلاق و سیرت میں ابوبکرؓ و عمرؓ کا عین تھا۔ لہذا ان دونوں پر لعنت نہ کر کہ وہ لعنت علیؓ پر اترتی ہے اور تو علی کا دوست ہو کر اس پر لعنت کرتا ہے۔ ایسے علیؓ سے کسی صورت میں بھی شیعہ صاحبان کو تعلق نہیں۔ وہ اپنے فرضی اور موہوم علی سے محبت رکھتے ہیں کیونکہ یہ موہوم علی ہی اُن کے لائق ہے۔ ان کا علی ایک خود ساختہ علی ہے جس کی محبت میں ان کا دل زخمی ہے۔" (سلسلۃ الذہب حضرت جامیؒ علی ھامش نفحات الانس صـ۶۲ مطبوعہ لاہور)

(۳)

(جناب مولوی دوست محمد صاحب شاھد)

۱۔ "علامہ اقبال ہند" کا چینی ترجمہ

اہل اللہ کے مکاشفات چونکہ علام الغیوب کے سرچشمۂ علم و فیض کا لطیف عکس ہوتے ہیں اسلئے خواہ مادی آنکھیں شروع میں ان کے بعض پہلوؤں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھیں مگر حقائق بالآخر اُن کے آسمانی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دیتے ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا ایک مکاشفہ ہے جس میں حضورؑ کو "ٹیچی" نامی ایک شخص دکھائی دیا۔ اس نام پر آج تک علماءِ ظواہر کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے مگر خدا کی شان جس لفظ کی بناء پر خدا ناترس علماء خدا کے پیارے مسیح پر مدتوں سے گند اچھالتے رہے وہ حال کی ریسرچ کے مطابق "علامہ اقبال مند" کا چینی زبان میں مترادف لفظ ثابت ہوا ہے جو ٹی (Ti) اور چی (CHi) سے مرکب ہے۔ چنانچہ چینی انگریزی ڈکشنری (THE WORLD CHINESE-INGLISH DiCTiONARY) میں "ٹی" اور "چی" کے مندرجہ ذیل معنی لکھے ہیں:-

Ti, ADVANCE iN KNOWLEDGE

CHi ALUCKY, FOR-TUNATE, GOOD, FiNE, FAVOURABLE, H..PPY.

مندرجہ بالا ڈکشنری "دی ورلڈ بک کمپنی ہانگ کانگ" نے جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع کی تھی۔ مذکورہ معنی اس کے صفحہ ۷۷ اور صفحہ ۱۰۰ پر موجود ہیں۔

۲۔ زیارتِ کعبہ پر صحبتِ فقراء کو ترجیح

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ورق جو سیارہ ڈائجسٹ جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۴۴ سے ماخوذ ہے:-

"والد کی وفات کے بعد آپ زیارتِ کعبہ کے ارادے سے ۱۰۰۸ھ میں سرہند سے روانہ ہوئے۔ جب آپ دہلی پہنچے تو اپنے ایک پُرانے دوست مولوی حسن کشمیری کے ہاں قیام کیا۔ مولوی صاحب نے جب حضرت خواجہ باقی باللہ کے اوصاف اور کمالات بیان کئے تو آپ کے دل میں خواجہ صاحب کی زیارت کا خیال پیدا ہوا اور مولوی صاحب کے ہمراہ خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خواجہ صاحب نے پوچھا "دہلی کس ارادے سے آئے ہو؟" آپ نے جواب دیا زیارتِ کعبہ کے شوق میں جا رہا تھا یہاں رُک گیا ہوں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا بڑا مبارک ارادہ ہے لیکن فقراء کی صحبت میں اگر چند روز یہاں ٹھہر جاؤ تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ نے چند روزہ قیام کے دوران میں روحانی فیض حاصل کیا..... آپ حضرت خواجہ کی خدمت بابرکت میں چند روز رہنے کے بعد پھر سرہند واپس چلے آئے اور مشاغل روحانی میں مصروف ہو گئے۔"

دراصل یہی وہ روحانی نکتہ تھا جو حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہیدؓ کابل کے حج کرنے کی بجائے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضری کا موجب ہوا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام "تذکرۃ الشہادتین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے "وقتِ سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ میں حج کو جاتا ہوں مگر وہ ارادہ

قادیان میں بہت دیر تک ٹھہرنے سے پورا نہ ہو سکا اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا اور چونکہ میری نسبت شناخت کر چکے تھے کہ یہی مسیح موعود ہے اسلئے میری صحبت میں رہنا ان کو مقدم معلوم ہوا اور بموجب نص اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول حج کا ارادہ انہوں نے کسی دوسرے سال پر ڈال دیا۔"
(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۹)

۳۔ ایک مستحسن تجویز

میاں حسام الدین صاحب لیکچرار اٹک کالج جامعہ محمدی کے مضمون بعنوان "پاکستان اور عربی زبان" سے ایک اہم اقتباس :۔

"میں یہ پختہ یقین رکھتا ہوں کہ پاکستان میں عربی زبان کو عام کرنے کا جو عظیم فائدہ ہمیں حاصل ہوگا وہ تشتت و افتراق کی لعنت سے نجات اور لیلائے اتحاد و اخوت سے دائمی وصال ہے۔ ہمارے ہاں یہ شیعہ اور سُنی کی سر پھٹول، یہ دیوبندی اور بریلوی کی قیامت نما معرکہ آرائیاں، یہ وہابی اور غیر وہابی کے تیر و نشتر سے تیز طعنوں کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عوام جو براہ راست اپنے دین کی زبان نہیں جانتے چند خود غرض اور فتنہ ساز افراد کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتے ہیں" (الجامعہ مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۴-۱۵)

۴۔ جنّت کا ربوہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے :۔

"الفردوس ربوۃ الجنۃ"

(ترمذی شریف مصری جلد ۲ صفحہ ۲)

یعنی فردوس جنّت کا ربوہ

(یعنی بلند مقام) ہے۔

لفظ ربوہ کی عظمت اس حدیث سے ظاہر و باہر ہے۔ لہٰذا اس نام سے ایک سچا اور مخلص مومن محبت تو رکھ سکتا ہے مگر چڑ نہیں سکتا!!

حضرت مسیحؑ کا جسم عنصری کے ساتھ نزول ہو چکا ہے

لکھا ہے :۔

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء کے لئے جمع فرما دیا تھا۔ یہ تمام انبیاء جسم عنصری کے ساتھ وہاں موجود تھے۔" (تحفہ گوجرانوالہ صفحہ ۹۹)

الفرقان۔ غیر احمدی علماء بتائیں کہ اب وہ دوبارہ نزول جسمانی کے کیوں منتظر ہیں؟

غیر مبایع بھائیوں کے لئے

رشحات

مجددِ اعظم کون؟

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:-

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ سچائی کے لئے ایک مجدد اعظم تھے جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دنیا میں لائے" (لیکچر لاہور ص ۴۷)

غیر مبایعین کہتے ہیں کہ "مجدد اعظم" حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں جیسا کہ ان کی شائع کردہ کتاب بنام "مجدد اعظم" سے ظاہر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مجددِ اعظم کون ہے؟

غیر مبایعین کی تبدیلی کا ایک کھلا ثبوت

اخبار الحکم ۳۱ اگست و ۱۰ ستمبر ۱۹۰۴ء میں جناب میر مدثر شاہ صاحب نے (جو ۱۹۱۴ء کے بعد غیر مبایعین کے مبلغ بھی بن گئے تھے) مباحثہ داتہ کے عنوان سے اپنے مضمون میں تحریر فرمایا ہے:-

"قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اس آیت کو مفسرین نے حضرت مسیح موعود کے حق میں تسلیم کیا ہے اور اس رسول سے مراد وہی رسول ہے جو اس سے پہلے آیت ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں مذکور ہے۔ پس ان دونوں آیتوں کو ملانے سے ثابت ہوا کہ مسیح موعود کا نام احمد ہے جس کے مصداق آج جناب مرزا صاحب ہوئے۔ اگر کسی کے دل میں یہ وہم گزرے کہ پہلی آیت ومبشراً برسول الخ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ دل ما شاد چشم ما روشن۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزل القرآن علی سبعۃ احرفٍ

لکلّ آیۃ منہا ظہر و بطن الخ (کتاب العلم صفحہ ۲۷) پس بطون قرآن شریف کی رُو سے اس احمد سے کئی احمد مراد ہوں تو ہمارا کیا حرج۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے آیت مبشّراً میں اپنے مثیل کی بشارت دی ہے اور اس کا نام احمد بتایا ہے۔ جب وہ احمد ہوا تو خداوند تعالے نے ہی اسکو احمد کے نام سے پکارا۔ دیکھو رسائل اراجہ یا احمد فاضت الرحمۃ علیٰ شفتیک صفحہ ۵۲ و ۵۵ و ۵۸" (الحکم ۳۱ اگست و ۱۰ ستمبر ۱۹۰۴ء)

کیا غیر مبائع بھائی بتائیں گے کہ آیا آج بھی ان کا یہی عقیدہ ہے؟ کیا وہ آج بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آیت و مبشّراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق یقین کرتے ہیں؟ ہمیں ان کے جواب کا انتظار رہے۔

اخبار "لائٹ" کے لئے

خلافتِ راشدہ اور خلفاء راشدین کے مقام از روئے قرآن مجید و احادیث نبویہ سنجیدہ بحث کی بجائے موجودہ مدیر لائٹ نے انگریزی میں گالیوں کے طومار شائع کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ اگر کسی دلیل کو پیش کیا جائے تو اس کا جواب تو دیا جاسکتا ہے مگر دشنام طرازی کا تو یہی جواب ہے ؎

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

حضرت امام حسینؓ کی وصیّت

علماء شیعہ لکھتے ہیں:۔

"امام حسینؓ نے اپنی ہمشیرہ کو فرمایا اے بہن! جو میرا حق تم پر ہے اسی کی قسم تم کو دیتا ہوں اسلئے کہ میری مصیبت مفارقت پر صبر کرو جیسا کہ ہمیشہ تم نے اور مصیبتوں پر صبر کیا ہے اور جب میں مارا جاؤں تو ہرگز مُنہ اپنا نہ پیٹنا۔ اور بال اپنے نہ نوچنا۔ اور گریبان اپنا چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو جیسا کہ انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت میں صبر فرمایا اسی طرح میری مصیبت میں صبر کرنا۔"
(انارۃ البصائر جلد ۲ صفحہ ۲۴۷، مواعظہ حسنہ صفحہ ۱۲۷، ذبح عظیم صفحہ ۲۳)

الفرقان۔ کیا حضرت سیّد الشہداءؓ کی اس واضح اور زبردست تلقین صبر کے باوجود شیعہ بھائیوں کا محرم الحرام میں ماتم اور جزع و فزع کرتے چلے جانا امام معصوم کی صریح نافرمانی نہیں ہے؟ خود شیعہ صاحبان غور کریں *

حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ کرامؓ

(جناب مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری)

فیض پالو خدا کے پیاروں سے
باغِ احمدؑ کے لالہ زاروں سے
آسمانِ محمدی کے اِن
جگمگاتے ہوئے ستاروں سے

رہ گئے اب تو ہم میں چند اصحاب
مردِ فارس کی یادگاروں سے
وقت ہے اب بھی برکتیں پالیں
قومِ احمدؑ کے جاں نثاروں سے

سیکھ لیں خُلق و تقویٰ و ایثار
آپؑ کے خاص خاص یاروں سے
بچ گئے ڈوبتے ہوئے کتنے
خیر و برکت کے اِن سہاروں سے

ان کا عالی مقام ہے بڑھ کر
ساری دنیا کے تاجداروں سے
دن مبارک یہ پھر نہ آئیں گے
مل سکے گا نہ کچھ مزاروں سے

"سبطِ نور" کیلئے آسان طریقِ فیصلہ

(جناب مولانا محمد یار صاحب عارف سابق مبلغ انگلستان)

پیغامِ صلح مورخہ ۲ فروری ۱۹۶۷ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی "سبطِ نور" نے گالیوں کا پلندہ شائع کیا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ طریق غیر شریفانہ اور اخلاق کے منافی ہے اسلئے میں انہیں نظر انداز کر کے "سبطِ نور" کے سامنے فیصلہ کا ایک واضح طریق پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم دونوں حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقائد و فرمودات کے مطابق فیصلہ کر لیں کہ دونوں جماعتوں میں سے کونسی جماعت حق پر ہے؟ اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو میں تقریری اور تحریری دونوں طرح گفتگو کرنے کے لئے تیار ہوں۔ شرائط طے کرنے کے لئے آپ ربوہ تشریف لا سکیں تو میرے لئے باعثِ خوشی ہو گا۔ لیکن اگر آپ یہ پسند نہ فرمائیں تو میں لاہور آنے کو تیار ہوں۔

میرا یقین ہے کہ آپ اپنے "سبطِ نور" ہونے کی لاج رکھتے ہوئے یہ طریقِ فیصلہ ضرور قبول کر لیں گے اور دنیا کو موقعہ دیں گے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم پر غیر مبایعین عمل پیرا ہیں یا ہم؟ ✦

ایک شیعہ صاحب کے ۲ سوال اور ان کا جواب

جناب رحمت علی صاحب عارف نوشہرہ ورکاں سے لکھتے ہیں :-

"بندہ نے مارچ کا الفرقان پڑھا جس میں خلفاء راشدین کا مقام ایک مضمون تھا۔ میرے ذہن میں دو سوال پیدا ہوئے ہیں ان کا جواب باصواب عنایت کریں (۱) حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کا خطاب تمام مسلمانوں کو ہے یا صرف اس زمانے والوں کو؟ اگر تمام مسلمانوں کو قیامت تک خطاب ہے تو حدیث کی رُو سے ہر مسلمان کو ان کا مطیع ہونا چاہیئے خواہ کوئی ہو۔ پھر جس کی اتباع کی جائے وہ افضل ہے تو ایک غیر نبی ایک نبی سے افضل ہوا؟ یہ سمجھ نہیں آیا۔ (۲) حضرت ابوبکرؓ تمام اُمت سے افضل ہیں، آیا علم کے سبب یا عمر کے سبب؟ اگر عمر کے سبب ہو تو اور بھی تھے جو اُن سے بڑے تھے۔ اگر علم کے سبب تو کیا مدینہ میں اور کوئی ان سے بڑا عالم نہ تھا؟ اگر تھا تو افضل کون؟ حدیث اَبُوْبَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ اور حدیث عَلِیٌّ خَیْرُ بَشَرٍ مَنْ اَبٰی فَقَدْ کَفَرَ۔ ان میں کیا فرق ہے؟"

الجواب - پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ارشادِ نبوی علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین سب مسلمانوں کے لئے ہے۔ سب کا فرض ہے کہ سنتِ نبوی کو اختیار کریں اور سنتِ خلفاء راشدین کو اپنائیں یعنی ان کا رویہ ان کے خلاف نہ ہونا چاہیئے۔ قیامت تک سب مسلمان اسی صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں گے۔ اتباع دو طور سے ہوتی ہے اول یہ اس طرح کہ انسان سامنے موجود ہو اور متبوع اسے حکم دے، وہ اطاعت کرے۔ اس طور کی اتباع سے افضل اور مفضول ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ دوسری اتباع اس طور کی ہوتی ہے کہ کوئی بزرگ نیک نمونہ اور پاکیزہ سنت قائم کر جاتا ہے بعد میں آنیوالا بھی اسی نیک طریق کو اختیار کرتا ہے۔ اس قسم کی اتباع سے فضلیت اور غیر فضلیت کا استنباط کرنا غلط ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ تعالیٰ نے انبیاء سلف کے حالات بیان کرتے ہوئے حکم دیا ہے فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ (انعام: ۹۱) کہ ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ اب اس سے یہ استدلال کرنا کہ گویا وہ انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے سراسر غلط استدلال ہے۔ اسی طرح اُمتِ محمدیہ میں اگر کوئی نبی بھی خلفاء راشدین کی

سنت کو اختیار کرے تو اس سے اس کا خیر افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حدیث اَبُوْبَکْرٍ اَفْضَلُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ نَبِیٌّ میں آخری استثناء بھی ہمارے جواب کی تائید کرتا ہے۔ نبی نبی ہے اور خلیفہ خلیفہ

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حدیث علی خیر بشر مَن اَبٰی فقد کفر موضوع ہے صحیح نہیں ہے۔ حدیث ابوبکر خیر الناس الا ان یکون نبیٌّ صحیح حدیث ہے۔ سنداً اور مفہوم ہر دو اعتبار سے درست ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت عمر یا ظاہری علم کی بناء پر نہ تھی بلکہ ان کی فضیلت **تقویٰ** کی بناء پر تھی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ (الحجرات: ۱۳) تقویٰ کا علم اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے —— هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (النجم: ۳۲) —— پھر اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اتقی الناس اور خیر الناس ہونا ثابت کر دیا۔ الٰہی تائید و نصرت نے بھی ان کے افضل ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ومن اصدق من اللّٰه قیلاً ✦

مکتبہ الفرقان ربوہ

اس مکتبہ سے آپ جماعت احمدیہ کی جملہ کتب طلب فرما سکتے ہیں۔ اس طرح سے آپ رسالہ الفرقان کی بھی امداد کرنے والے قرار پائیں گے۔ (مینجر الفرقان ربوہ)

بیادگار حضرت مصلح موعودؓ

(جناب احمد نذیر احمد صاحب ظفر فاضل ربوہ)

(امسال "یوم مصلح موعودؓ" کے جلسہ میں یہ نظم پڑھی گئی۔ ظفر)

مرشدِ قلب و نظر یاد آیا
پھر مجھے فضلِ عمرؓ یاد آیا

جو مسیحا نے دعائیں کی تھیں
ان دعاؤں کا ثمر یاد آیا

مہبطِ فضلِ خدائے رحماں
منبعِ جذب و اثر یاد آیا

سعی و جہد و عمل کا پیکر
معدنِ علم و ہنر یاد آیا

محورِ اہلِ وفا و ایماں
مرکزِ اہلِ نظر یاد آیا

حامیٔ دینِ مبینِ اسلام
صاحبِ فتح و ظفر یاد آیا

ڈوب کر بھی جو ضیا بار رہے وہ
رشکِ خورشید و قمر یاد آیا

مژدۂ آمدِ محبوب کے دن
کیوں ترا وقتِ سفر یاد آیا

عید کا دن ہے مگر پیارے آج
زخمِ دل زخمِ جگر یاد آیا

جان لیوا تھا یہ غم خیر ہوئی
وقت پر تیرا پسر یاد آیا

جس کو بھولے ہو نہ بھولو گے کبھی
اس کو کہتے ہو ظفر یاد آیا

الفردوس

انارکلی میں

لیڈیز کپڑے کے لئے

آپ کی اپنی

دُکان ہے

الفردوس

۸۵- انارکلی لاہور

رشید آئل ککرز

بلحاظ

خوبصورتی، مضبوطی، تیل کی بچت

اور

افراطِ حرارت

دُنیا بھر میں

بہترین ہیں

اپنے شہر کے ڈیلر سے

طلب فرمائیں!

رشید اینڈ برادرز

ٹرنک بازار سیالکوٹ

عمارتی لکڑی

ہمارے ہاں

عمارتی لکڑی - دیار، کیل، پڑتل، چیل

کافی تعداد میں موجود ہے

ضرورت مند اصحاب

ہمیں خدمت کا موقع دیکر مشکور فرمائیں!

★ گلوب ٹمبر کارپوریشن

۲۵ نیو ٹمبر مارکیٹ لاہور، فون نمبر ۶۲۶۱۸

★ سٹار ٹمبر سٹور

۹۰ فیروز پور روڈ - لاہور

★ لائلپور ٹمبر سٹور

راجباہ روڈ لائلپور - فون نمبر ۳۸۰۸

ماہنامہ تحریک جدید ربوہ

"اسلام کی روز افزوں ترقی کا آئینہ دار"

آپ خود بھی یہ ماہنامہ پڑھیں اور غیر از جماعت دوستوں کو بھی پڑھائیں۔

سالانہ چندہ:- صرف دو روپے

مینجنگ ایڈیٹر

موتیا روک

• موتیا روک موتیا بند کا بلا اپریشن علاج ہے!

• موتیا روک دھند، جالا، پھولا ککروں کے لئے بھی بے حد مفید ہے۔

• موتیا روک بینائی کو تیز کرتا ہے، اور چشمہ کی ضرورت نہیں رکھتا!

• موتیا روک آنکھ کی ہر مرض کیلئے مفید تر ہے۔

بیت الحکمت لوہاری منڈی لاہور

مفید اور مؤثر دوائیں

نور کاجل

ربوہ کا مشہور عالم تحفہ !

آنکھوں کی صحت اور خوبصورتی کے لئے بہترین تحفہ

خارش، پانی بہنا، بھینگا، ناخنہ، ضعفِ بصارت وغیرہ امراضِ چشم کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ متعدد جڑی بوٹیوں کا سیاہ رنگ جوہر ہے جو عرصہ ساٹھ سال سے استعمال میں ہے۔

خشک و تر قیمت فی شیشی :- سوا روپیہ

تریاقِ اٹھرا

اٹھرا کے علاج کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بہترین تجویز، جو نہایت عمدہ اور اعلیٰ اجزاء کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔ !

اٹھرا بچوں کا مُردہ پیدا ہونا یا پیدا ہونے کے بعد جلد فوت ہو جانا یا چھوٹی عمر میں فوت ہونا یا لاغر ہونا ان تمام امراض کا بہترین علاج۔ !

قیمت :- پندرہ روپے

نورِ نظر

اولادِ نرینہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بہترین تجویز، جس کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے لڑکا ہی پیدا ہوتا ہے۔

مکمل کورس۔ پچیس ۲۵ روپے

نور منجن

دانتوں کی صفائی صحت کے لئے ازحد ضروری ہے۔ یہ منجن دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی حفاظت اور علاج کے لئے بہت مفید ہے۔

قیمت :- ایک روپیہ

خورشید یونانی دواخانہ رجسٹرڈ گولبازار ربوہ

... مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ)

تفہیماتِ ربّانیّہ

محترم مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مدیر الفرقان و سابق مبلغ بلادِ عربیہ کی اس لاجواب تصنیف میں ان تمام اعتراضات کا تفصیلی اور تسلی بخش جواب دیا گیا ہے جو مخالفینِ احمدیت کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا تھا۔

"اس کا نام میں نے ہی تفہیماتِ ربانیہ رکھا ہے (طباعت سے پہلے) اس کا ایک حصہ میں نے پڑھا ہے جو بہت اچھا ہے۔ اس کتاب کے لئے کئی سال سے مطالبہ ہو رہا تھا کئی دوستوں نے بتایا کہ عشرہ کاملہ میں ایسا مواد ہے کہ جس کا جواب ضروری ہے۔ اب خدا کے فضل سے اسکے جواب میں اعلیٰ لٹریچر تیار ہوا ہے۔ دوستوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اسکی اشاعت کرنی چاہیئے۔" (الفضل ۱۲ر جنوری ۱۹۳۱ء)

اب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن یکصد صفحات اور بعض قیمتی حوالہ جات کے اضافہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس انتہائی مفید کتاب کا ہر احمدی گھرانہ میں موجود ہونا ضروری ہے۔

ضخامت آٹھ سو صفحات۔ قیمت مجلّد اعلیٰ سفید کاغذ گیارہ روپے ؛ مجلد اخباری کاغذ آٹھ روپے۔ کتابت و طباعت عمدہ۔

مکتبۃ الفرقان ربوہ

ماہنامہ "الفرقان" اور احباب کا فرض

● **حضرت امام جماعتِ احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کا ارشاد :-**

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس۳۰ چالیس۴۰ ہزار بلکہ ایک لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔" (الفضل ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

● **حضرت میرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-**

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض وغایت کو پورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدنظر رسالہ ریویو آف ریلیجنز اُردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے۔ پس مخیّر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے تا اس رسالہ کی غرض وغایت بصورت احسن پوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب پوری شان کے ساتھ ساری دُنیا کو اپنے نُور سے منوّر کرے۔ (خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۱۱ ؎)"

(الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۵۹ء)

رسالہ کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے!

مینجر الفرقان ربوہ

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپا